ماہنامہ

ضیائے حدیث

لاہور

علمی • ادبی • تحقیقی • اصلاحی مجلہ

جلد:22 | شمارہ:11 | نومبر 2013ء | محرم 1435ھ

دارالسلام

DARUSSALAM

دارالسلام کی تحقیقی کاوشوں کا آئینہ دار

چیف ایڈیٹر

عبدالمالک مجاہد



خدارا!

اپنی بہن بیٹیوں کو

ڈیٹنگ سے بچایئے!

امام مہدی منتظر

تعارف، زمانۂ ظہور

پیروکار اور حکمتیں

دین کی خدمت

کے لیے دوسروں کا دست نگر نہیں بننا

شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ سے دلچسپ مکالمہ

نوجوانوں کی تربیت کا نبوی اسلوب

سیرت کے سنہرے واقعات پر مشتمل ایک خوبصورت تحریر

ماہنامہ

ضیائے حدیث

علمی | اَدبی | تحقیقی | اصلاحی مجلہ

لاہور

جلد:22/شمارہ:11/نومبر 2013ء/محرم الحرام 1435ھ

چیف ایڈیٹر
عبدالمالک مجاہد • بیاد مولانا حکیم عبدالمجید سوہدروی ؒ • بانی مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی ؒ

وسعتِ دامان



9 **انوارِ حدیث**
مصائب وآلام میں صبر کی توفیق کیسے میسّر ہو؟
عبداللہ یوسف ذہبی



19 **کرنٹ افیئر**
خدارا!! اپنی بہن بیٹیوں کو ڈیٹنگ سے بچایئے
حافظ محمد زاہد



57 **گوشۂ خواتین**
مغرب مسلم عورت کی مستقل حیثیت کے درپے
طارق جاوید عارفی



70 **طب و سائنس**
گاجر.....سائنسی تجزیہ طبی فوائد
ڈاکٹر طارق ریاض

ایگزیکٹو ایڈیٹر حافظ عبدالوحید سوہدروی
ایڈیٹر محمد عثمان فاروقی
noumanfarooqi47@gmail.com

مجلس ادارت
مولانا ارشاد الحق اثری | پروفیسر محمد یحییٰ | حافظ عبدالستار حماد
حافظ صلاح الدین یوسف | حافظ شبیر صدیق | حافظ محمد حق نواز

مجلس مشاورت
چوہدری محمد یٰسین ظفر | ڈاکٹر محمد حماد لکھوی | مولانا محمد عبدالجبار
عکاشہ مجاہد | حبیب کبریا

مجلس نظامت
حافظ عبدالعظیم اسد | قمر الحمید فیصل | عبدالغفار مجاہد
شیخ ارشد علی | محمد اعظم یٰسین | حافظ محمد ندیم

آرٹ اینڈ ڈیزائن
طارق جاوید عارفی | حافظ عثمان یوسف

محمد صفت الٰہی (آرٹ ڈائریکٹر) جاوید اقبال (گرافک ڈیزائنر) حافظ عبدالماجد (کمپوزنگ)
خطاطی اکرام الحق | قانونی مشیر چوہدری محمد اکرم گوندل (ایڈووکیٹ سپریم کورٹ)

ضیائے حدیث جاری کروانے کے لیے

منی آرڈر، آن لائن یا ایزی پیسہ کے ذریعے سالانہ زرتعاون دفتر ارسال کریں اور حسب ذیل نمبرز میں سے کسی ایک پر اطلاع دیں اور اپنا مکمل ایڈریس لکھوائیں۔ رسالہ آپ کے نام جاری ہو جائے گا۔

- منی آرڈر اور خط کتابت کے لیے:

دفتر ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' 36 لوئر مال، لاہور (پاکستان)

- آن لائن کروانے کے لیے:

A/C Title: Monthly Zia-e-hadith
A/C No: 0038805201002063
M.C.B Bank Ltd. Session Court Branch
Lahore. Br Code: 1317

- برائے ایزی پیسہ: موسیٰ علی: 0313 75 79 034
شناختی نمبر: 34101-4002586-9

سرکولیشن منیجر: محمد یوسف سلفی 823 71 300 70 92+
اسسٹنٹ سرکولیشن منیجر: موسیٰ کلیم بلتستانی 034 79 75 313 92+
Tel:+92 42 372 32 400 | Fax:+92 42 373 54 072
ziaehadith1@yahoo.com

ناشر محمد ادریس فاروقی مقام اشاعت 399/E اندرون موچی دروازہ، لاہور
پرنٹر انٹرنیشنل دارالسلام پرنٹنگ پریس، 36۔لوئر مال، لاہور

اداریہ	پاکستان میں دہشت گردی کا اصل سبب		7
انوارِ حدیث	مصائب وآلام میں صبر کی توفیق کیسے میسّر ہو؟	عبداللہ یوسف ذہبی	9
احکام و مسائل	ماہِ محرم کی شرعی حیثیت	الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی	14
کرنٹ افیئر	خدارا!! اپنی بہن بیٹیوں کو ڈیٹنگ سے بچایئے	حافظ محمد زاہد	19
اسلامی تہذیب	قمری سال کا تعارف اور احکام ومسائل	حافظ شبیر صدیق	24
مکتوب الریاض	نوجوانوں کی تربیت کا نبوی اسلوب	عبدالمالک مجاہد	29
نظم و نسق	ہمارے ملی اور ملکی مسائل.....چند گزارشات	حافظ عبدالسمیع	33
تحقیق و تدقیق	امام مہدی منتظر	محمد نعمان فاروقی	37
انٹرویو	خدمت دین کے لیے دوسروں کا دست نگر نہیں بننا	الشیخ حافظ ثناء اللہ مدنی	41
سیاسیات	محرم الحرام میں بدامنی کے اسباب	حافظ محمد حق نواز	46
مکتوب امریکہ	چند گھنٹے ہوسٹن کی جیل میں	احتشام ارشد نظامی	51
عالمی منظر نامہ	تہذیبوں کا تصادم.....اصل حقائق	ابوولید ملک	53
گوشۂ خواتین	مغرب مسلم عورت کی مستقل حیثیت کے درپے	طارق جاوید عارفی	57
طب و سائنس	گاجر.....سائنسی تجزیہ، طبی فوائد	ڈاکٹر طارق ریاض	70
اصلاح معاشرہ	شادی بیاہ پر ہمارے طور اطوار	حافظ صلاح الدین یوسف	76

قیمت فی شمارہ 35 روپے	سالانہ زرتعاون عام ڈاک سے 400/- روپے رجسٹرڈ ڈاک سے 800/- روپے

دیگر ممالک میں سالانہ زرتعاون
سعودی عرب 100 ریال
یورپی ممالک 30 یورو

پاکستان میں دہشت گردی کا اصل سبب اور اس کا تدارک

پاکستان میں دہشت گردی کی تاریخ اتنی پرانی نہیں کہ اس کے لیے کوئی قدیم دستاویز یا شواہد اکٹھے کرنے پڑیں۔ جب مشرف امریکہ اور عالم کفر کا اتحادی بنا تھا تب سے پاکستان سے امن روٹھا ہوا ہے۔ مگر امریکہ ہمارا بنا اور نہ ہی اس نے ہمارا بننا تھا، الٹا اپنے ہی بھائیوں کو دشمن بنا بیٹھے۔ امریکہ ایسا ملک ہے جس سے دشمنی میں بھی خطرات ہیں مگر اس کی دوستی میں اس سے بھی زیادہ خطرات ہیں۔ پوری قوم نے امریکہ کا اتحادی بننے کے نقصانات اپنی آنکھوں سے دیکھ لیے ہیں۔ سسک سسک کر مرنے سے کوئی فیصلہ کن اقدام زیادہ بہتر ہے۔ مگر افسوس! اب بھی بعض دانشوروں کی طرف سے ڈرون حملوں یا امریکی کارروائیوں کو دہشت گردی کے خاتمے کا سبب قرار دیا جا رہا ہے۔

دراصل وطن عزیز بڑے کٹھن اور مشکل حالات سے دوچار ہے۔ اگرچہ یہ اول روز سے بھارت اور سامراجی طاقتوں کی سازشوں کا ہدف بنا ہوا ہے مگر جب سے پاکستان نے ایٹمی دھماکے کیے، اسے نشانے پر رکھ لیا گیا ہے۔ مئی 1998ء میں صدر کلنٹن کے پانچ فون ٹھکراتے ہوئے میاں نواز شریف نے چھ ایٹمی دھماکے کر ڈالے اور واشنگٹن کی نظروں میں ناپسندیدہ ٹھہرے، چنانچہ اکتوبر 1999ء میں ان کا بوریا بستر گول کر دیا گیا۔ شروع میں بظاہر جنرل مشرف کے لیے امریکی حمایت مفقود تھی مگر جیسے ہی نائن الیون کا سانحہ رونما ہوا، مشرف نے امریکی خوشنودی کے لیے افغانستان پر امریکی اتحادی حملے میں اپنا بھرپور تعاون پیش کر دیا اور یوں وہ امریکیوں کی آنکھ کا تارہ بن گئے۔ افغان مجاہدین جنھوں نے آئی ایس آئی کے تعاون سے حملہ آور سامراجی روس کے چھکے چھڑا دیے تھے، اب طالبان کے روپ میں امریکہ کے لیے چیلنج بنے ہوئے تھے۔ کابل و قندھار پر امریکی قبضے کے خلاف طالبان کی مزاحمت شروع ہوئی تو امریکہ نے الزام لگایا کہ پاکستان کے قبائلی علاقوں سے افغانی طالبان کی پشت پناہی کی جا رہی ہے اور پھر امریکی ڈرون طیارے قبائلی بستیوں پر بم برسانے لگے۔ ستم یہ ہوا کہ جنرل مشرف نے امریکیوں کو ڈرون حملوں کی اجازت دے دی تھی جو بعد میں زرداری حکومت میں بھی جاری رہی۔ ان حملوں سے پاکستان میں دہشت گردی کو فروغ ملا اور ان کے خلاف تحریک طالبان پاکستان منظم ہوگئی۔ ستم یہ ہے کہ پاکستان کو آگ کی بھٹی میں دھکیلنے والے دندناتے پھر رہے ہیں، حالانکہ ایسے لوگوں کا کڑا محاسبہ ہونا چاہیے۔

دوسری طرف بھارتی ایجنٹوں نے کراچی اور بلوچستان کا امن درہم برہم کر رکھا ہے۔ اس کے باوجود بھارت کے لیے امن کی آشا کے پیغام ہیں جبکہ اپنے ملک کے باسیوں کے لیے کوئی ایسی مہم نہیں، الٹا ایک دوسرے کے خلاف خبروں کو بڑا نمایاں کر کے نشر کیا جاتا ہے۔ اب تو ''امن کی آشا'' کے ضمن میں ملنے والی ایڈ سے پردے آہستہ آہستہ اٹھ رہے ہیں۔

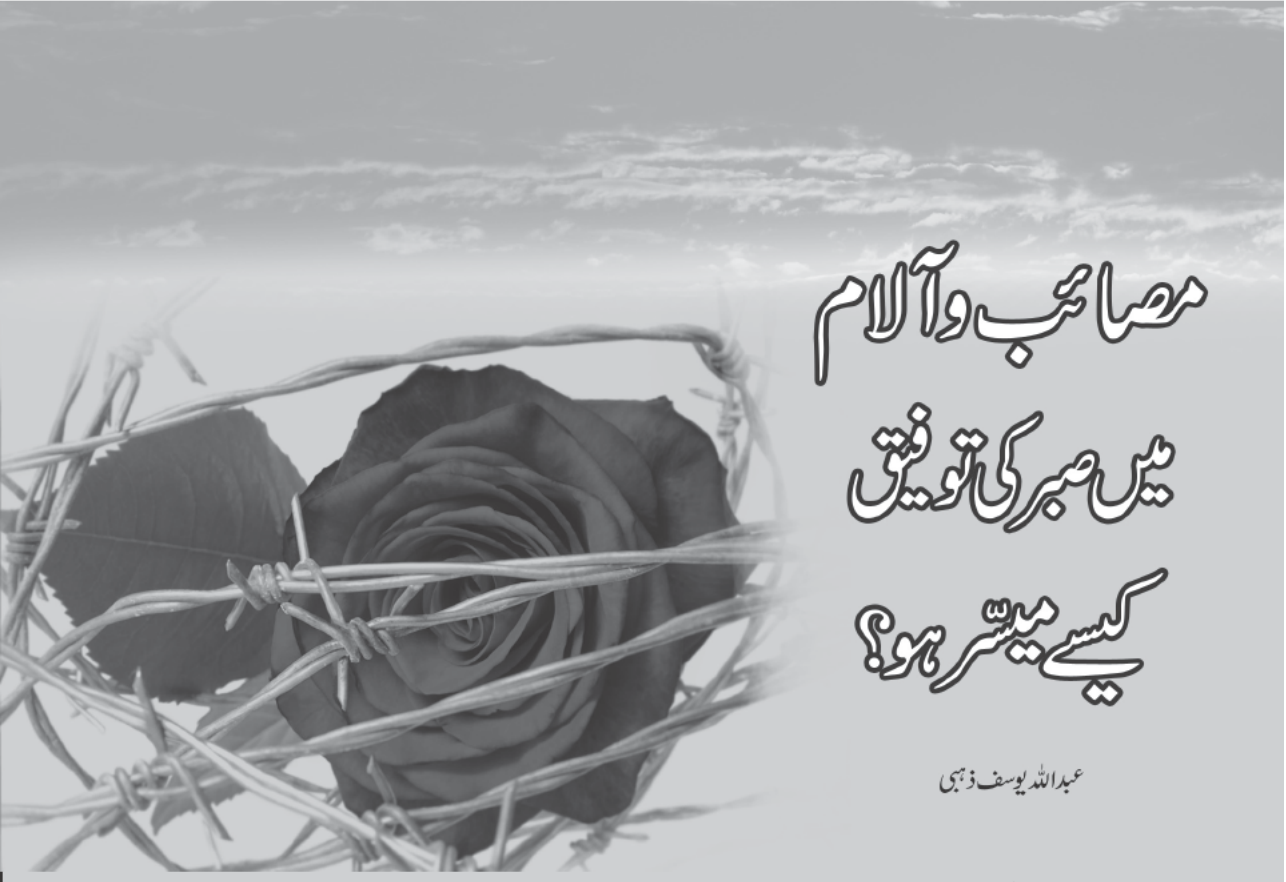
بہرحال گزشتہ جون میں میاں نواز شریف دوبارہ برسرِ اقتدار آئے اور صوبہ خیبر پختونخوا میں تحریک انصاف کی حکومت قائم ہوئی تو مسلم لیگ اور تحریک انصاف کی قیادتیں ڈرون حملے رکوانے کے لیے سرگرم ہوئیں۔ کل جماعتی کانفرنس میں دہشت گردی کے خاتمے کے لیے طالبان سے مذاکرات کا اجتماعی فیصلہ ہوا مگر مذاکرات کا عمل شروع ہونے میں بوجوہ کھنڈت پڑتی رہی۔ اسلام آباد کے بار بار کے مطالبات کے باوجود امریکہ نے ڈرون حملے روکنے سے انکار کر دیا تھا۔ جب بھی مذاکرات کا ڈول ڈالنے کی بات ہوتی، کوئی نہ کوئی ڈرون حملہ ہو جاتا یا دہشت گردی کی واردات ہو جاتی۔ میاں نواز شریف نے صدر اوباما سے ملاقات میں ڈرون حملوں کا مسئلہ اٹھایا مگر امریکیوں کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ اب مذاکرات کا عمل شروع ہوا چاہتا تھا کہ یکم نومبر کو پھر ڈرون حملہ ہوا جس میں تحریک طالبان پاکستان کے سربراہ حکیم اللہ محسود اور ان کے اہم کمانڈر، جو ایک اجلاس میں شریک تھے، شہید ہو گئے۔ یوں مذاکرات کا عمل شروع ہوئے بغیر ہی ختم ہوتا نظر آتا ہے۔ اس طرح کی خبریں آ رہی ہیں کہ طالبان شوریٰ نے مذاکرات میں شرکت نہ کرنے کا اعلان کر دیا ہے مگر حکومت اور اپوزیشن دونوں ہی طالبان سے مذاکرات پر اب بھی آمادہ ہیں اور یہ اقدام ملک کے حق میں ہے۔ جبکہ دشمن اس ملک کے باسیوں کو گروہوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے عہد کے فرعون نے بھی مصر کے باسیوں کو کئی گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا (القصص 28)۔ موجودہ فرعون بھی یہاں کے باسیوں کو تقسیم کرنے کے درپے ہیں تاکہ یہ سب آپس میں خانہ جنگی اور دہشت گردی کا شکار ہوتے رہیں اور ہماری طرف کسی کی توجہ نہ ہو۔

ان گھمبیر حالات میں پاکستانی قیادت کو بڑی حکمت سے کام لینے کی ضرورت ہے، نیز سیاسی و عسکری قیادت اور اپوزیشن رہنماؤں کو مل کر نئی سٹریٹجی اختیار کرنی ہوگی۔ جناب عمران خان جو نواز شریف کی حکومت کے خلاف تحریک چلانے کے لیے پر تول رہے ہیں انھیں بھی دستِ تعاون بڑھانا ہوگا۔ ملتِ پاکستان کے کامل اتحاد ہی سے وطنِ عزیز کی سلامتی اور امن و استحکام کے تقاضے پورے کیے جا سکتے ہیں۔ قوم کی ایک متحدہ اور جاندار آواز ہی سے منہ زور امریکیوں کو یہ باور کرایا جا سکتا ہے کہ وہ ڈرون دہشت گردی مزید جاری نہیں رکھ سکتے، بالخصوص ان حالات میں جبکہ ہیومن رائٹس انٹرنیشنل نے بھی ڈرون حملوں کی ہلاکت خیزیوں کو فاش کرتے ہوئے ان کی مذمت کی ہے۔

وزیراعظم میاں محمد نواز شریف کو ایک کڑا امتحان درپیش ہے۔ وہ اس سلسلے میں مسلم سربراہی کانفرنس کا انعقاد کر سکتے ہیں اور انھیں اعتماد میں لے کر عالمی سطح پر ڈرون حملوں کے خلاف ایک تحریک اٹھا سکتے ہیں۔ امریکی ہٹ دھرمی سے پاکستان کی سرحدوں میں ڈرون دہشت گردی جاری رہی تو ملک میں امن و سلامتی اور سکون و استحکام کی فضا پیدا کرنے کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوگا۔

اللہ کا شکر ہے کہ پاکستان نے ڈرون طیارے گرانے کا کامیاب تجربہ کر کے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو واضح اشارہ دے دیا ہے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ محض ڈرون حملے ہی نہیں بلکہ امریکہ سے کیے ہوئے سارے جنگی معاہدے ختم کیے جائیں کیونکہ اس نے پوری قوم کے مشترکہ مطالبے کو معمولی سی اہمیت بھی نہیں دی۔ وزیراعظم پاکستان، اوباما سے ملاقات میں ڈرون حملوں کی بندش کی بات کر کے آئے اور ان کے واپس پہنچتے ہی ڈرون حملہ کر دیا گیا..... ہزاروں قیمتی جانوں کا ضیاع، معیشت کی تباہی اور ملک کے بے تحاشا نقصان کروانے کا ''صلہ'' یہ ملا۔ اب تو عالمی سامراجی طاقتوں کو اقبال کی زبان، بہ ادنیٰ تصرف، میں واضح پیغام دے دینا چاہیے۔

تم نے لوٹے بے نوا صحرا نشینوں کے خیام
تم نے لوٹی کشتِ دہقاں، تم نے لوٹے تخت و تاج
پردۂ تہذیب میں غارت گری، آدم کشی
کل روا رکھی تھی تم نے، ''اور روا رکھی ہے'' آج



مصائب وآلام میں صبر کی توفیق کیسے میسّر ہو؟

عبداللہ یوسف ذہبی

دُکھ، پریشانی، تکلیف، غم، بیماری اور مصیبت یہ سب وہ الفاظ ہیں جن سے ہر انسان کو زندگی میں واسطہ پڑتا ہے۔ انسانی زندگی ان سب چیزوں سے عبارت ہے۔ خوشی کے ساتھ غم بھی آتے ہیں، خوشحالی میں بسا اوقات تنگدستی بھی جھیلنا پڑتی ہے، صحت مند اور تندرست آدمی کو بھی بیماریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کبھی کاروبار میں نقصان ہوجاتا ہے، کبھی امتحان میں ناکامی کی خبر سننا پڑتی ہے۔ کبھی کوئی پیارا دنیا سے چلا جاتا ہے تو کبھی راہ چلتے کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے۔ ایک شاعر نے اپنی زندگی کی تصویر کشی یوں کی ہے۔

میرا کارنامۂ زندگی میری حسرتوں کے سوا کچھ نہیں
یہ کیا نہیں، وہ ہوا نہیں، یہ ملا نہیں، وہ رہا نہیں

مسلمان تو بہادر اور دلیر ہوتا ہے کیونکہ اس کا ذاتِ باری تعالیٰ اور اس کی مدد پر اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے اور اس کے پاس ایسا کارگر ہتھیار ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ کسی بھی مصیبت کا باآسانی مقابلہ کرلیتا ہے اور وہ ہتھیار ہے ''صبر''۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کا معاملہ بھی بڑا تعجب خیز ہے۔ اس کے ہر کام میں اس کے لیے خیر ہے اور یہ چیز صرف مومن ہی کے لیے ہے۔ اگر اسے خوش حالی نصیب ہو تو شکر کرتا ہے، یہ شکر اس کے لیے خیر ہے اور اگر اسے تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے، تو یہ بھی اس کے لیے خیر ہے۔'' (صحیح مسلم: 2999)

تکالیف و مصائب پر صبر کرنا بڑی ہمت اور حوصلے کا کام ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق خاص ہی سے ممکن ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذَالِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ ''اور بلاشبہ جو شخص صبر کرے اور معاف کردے تو بے شک یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔'' (الشوریٰ 43:42)

مصائب میں صبر کی توفیق کیونکر میسر آتی ہے؟ اور وہ کون سے ذرائع ہیں جن کو اختیار کرکے اپنے اندر صبر پیدا کیا جاسکتا ہے؟ سطورِ ذیل میں انھی سوالات کے جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ البتہ یہ حدیث مبارکہ ان سب باتوں کا نچوڑ ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: «وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ» ''جو شخص صبر کا دامن پکڑتا ہے، اللہ اسے صبر کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔'' (صحيح البخاري: 1469، و صحيح مسلم: 1053) گویا جو شخص صبر کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے لیے اسباب و وسائل کو



اختیار کرتا ہے، اللہ کی طرف سے صبر کی توفیق اسے ہی ملتی ہے۔ اور وہ شخص بڑا ہی خوش نصیب ہے جس کو صبر کی توفیق میسر آجائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيرًا وَأَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ» ''اللہ کی طرف سے صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع تر عطیہ کسی کو نہیں دیا گیا۔'' (صحيح البخاري: 1469، و صحيح مسلم: 1053) ملاحظہ فرمایئے، وہ امور جن کو اپنانے سے صبر کرنا آسان ہوجاتا ہے اور من جانب اللہ صبر کی توفیق میسر آتی ہے:

① مصیبت، تکلیف یا بیماری وغیرہ کے آنے پر ہمت مت ہاریے۔ صبر کے فضائل کو ذہن میں لاتے ہوئے صبر کا مظاہرہ کیجیے۔ صبر کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ لہٰذا اللہ کا محبوب بننے کی خوشی میں آپ کو اپنا غم بھلانا آسان ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کو محبت کا پیغام یوں دیا: ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ﴾ کے آگے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ ''اور جو کوئی اللہ پر بھروسا کرے، وہ اسے کافی ہے۔'' (الطلاق 65:3)

⑥ مصیبت اور بیماری وغیرہ کے پہنچنے پر انسان کو پریشانی تو ہوتی ہی ہے لیکن یہ بات اس کی پریشانی کو ہلکا کرسکتی ہے کہ مصیبت اور بیماری سے اسے بے شمار فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ مسلمان کو پہنچنے والی ہر مصیبت اور دکھ پر اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان کو جو بھی تکان، بیماری، فکر، غم اور تکلیف پہنچتی ہے، حتی کہ کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادیتا ہے۔'' (صحيح البخاري: 5642، و صحيح مسلم: 2573) اور فرمایا: ''مومن مرد اور مومن عورت پر اس کی جان، اولاد اور مال میں آزمائشیں آتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ اللہ کو ملتے ہیں (انھیں موت آتی ہے) تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔'' (جامع الترمذي: 2399)

⑦ مصائب و آلام کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ مسلمان کو اللہ کی طرف رجوع کرنے کا موقع ملتا ہے۔ کتنے ہی ایسے لوگ آپ کو ملیں گے جو بے دین اور بے عمل تھے لیکن کسی بیماری، نقصان یا کسی عزیز کی وفات نے ان کی زندگی کی کایا ہی پلٹ دی اور اب وہ آپ کو دین دار اور باعمل نظر آتے ہیں۔

⑧ مصائب و تکالیف مسلمان کے لیے بلندیٔ درجات کا سبب بنتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی مسلمان کو کانٹا چبھتا ہے یا اس سے کوئی بڑی تکلیف پہنچتی ہے، اس کی وجہ سے اس کا ایک درجہ بلند کردیا جاتا ہے اور ایک گناہ معاف کردیا جاتا ہے۔'' (صحيح مسلم: 2572) بلکہ ان مصائب کی وجہ سے مسلمان اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں وہ اپنے اعمال کی بدولت نہیں پہنچ پاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی بندے کے لیے کوئی مقام مقدر ہوچکا ہو اور وہ اپنے اعمال کی بنا پر اس تک نہ پہنچ سکتا ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے جسم یا مال یا اولاد کی آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔'' (سنن أبي داود: 3090)

⑨ رونے دھونے اور گریبان پھاڑنے یا بین کرنے سے مصیبت ٹل نہیں جاتی، نہ مرنے والا واپس آجاتا ہے بلکہ اس کا تو الٹا نقصان ہی ہوتا ہے۔ ایک تو انسان صبر کی وجہ سے ملنے والے ثواب سے محروم رہ جاتا ہے اور دوسرا اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وجہ سے گناہ گار ٹھہرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب خواتین سے بیعت لیتے تو اس میں یہ بات بھی شامل ہوتی کہ وہ نوحہ نہیں کریں گی۔ (صحيح البخاري: 7215) اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی مصیبت میں بال مونڈے یا بین کرے یا کپڑے پھاڑے وہ ہم میں سے نہیں۔'' (سنن أبي داود: 3130)

⑩ آزمائشیں اللہ کی طرف سے مومن کے لیے محبت کی علامت ہیں اور یہ مومن کے لیے کسی انعام الٰہی سے کم نہیں۔ اس لیے آزمائشوں کو اللہ کا انعام سمجھ کر صبر و رضا سے کام لینا چاہیے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو اس کے گناہوں کی سزا دنیا ہی میں دے دیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا برائی کا ارادہ ہوتا ہے تو اس سے اس کے گناہ کی سزا روک لیتا ہے۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن اس کو پوری سزا دے گا۔'' اور فرمایا: ''بڑا اجر بڑی آزمائش پر ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو پسند فرماتا ہے تو ان کو آزمائش سے دوچار فرمادیتا ہے،



پس جو اس سے راضی ہوتا ہے، اس کے لیے اللہ کی رضا ہے اور جو اس کی وجہ سے اللہ سے ناراض ہوتا ہے، اس کے لیے اللہ کی ناراضی ہے۔'' (جامع الترمذي: 2396)

⑪ مشکلات بسا اوقات انسان کی اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے آتی ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیشہ ان کا سبب انسان کے گناہ اور اللہ کی ناراضی ہو۔ بلکہ نیک لوگوں پر آزمائشیں زیادہ آتی ہیں اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑھ کر اپنے انبیاء کو آزماتا ہے۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، جبکہ آپ کو بخار تھا۔ میں نے آپ ﷺ کے جسم مبارک پر ہاتھ رکھا تو مجھے حرارت محسوس ہوئی۔ میں نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ! آپ کو کتنا سخت بخار ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہم انبیاء اسی طرح ہوتے ہیں کہ ہمیں مصیبت بھی دگنی آتی ہے اور ثواب بھی دگنا ملتا ہے۔'' میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! سب سے زیادہ آزمائش کن لوگوں کو آتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نبیوں کو۔'' میں نے کہا: ان کے بعد؟ فرمایا: ''نیک لوگوں کو۔'' انھیں فقر کے ذریعے آزمایا جاتا تھا حتی کہ ایک آدمی کو صرف ایک چادر میسر ہوتی تھی جسے وہ جسم پر لپیٹ لیتا تھا۔ اور وہ مصیبت پر اس طرح خوش ہوتے تھے جس طرح تم راحت پر خوش ہوتے ہو۔'' (سنن أبي داود: 4024) یہ بات سوچ کر صبر کرنا آسان ہوگا کہ آزمائشوں میں صبر کرنا تو انبیاء اور نیک لوگوں والا کام ہے۔

⑫ اللہ رب العزت انسان کا خالق ہے، وہ اس کے اچھے برے کو بخوبی جانتا ہے۔ بسا اوقات انسان ایک چیز کو ناپسند کرتا ہے اور اس کی وجہ سے پریشان ہو جاتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق وہ چیز بندے کے لیے نفع بخش ہوتی ہے۔ بیماری، تکلیف یا کوئی ناگہانی آفت بظاہر تو بندے کو پریشان کر کے رکھ دیتی ہیں مگر بندے کو یہ سوچنا چاہیے کہ یہ اس کے لیے فائدہ مند بھی ہوسکتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ ''اور ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمھارے لیے بہتر ہو۔'' (البقرة 2:216)

⑬ مصیبت کا شکار ہونے والے مسلمان کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ جس اللہ نے اسے اس مصیبت سے دوچار کیا ہے، اس نے اس کو کتنی نعمتیں بھی تو عطا کر رکھی ہیں۔ لہٰذا وہ اللہ کی نعمتوں پر شکر کا مظاہرہ کرتے ہوئے آنے والی تکلیف کو صبر سے برداشت کرے۔ مصائب کو یاد کر کے اللہ سے شکوہ و شکایت کرنا اور بے صبری سے کام لیتے ہوئے اللہ کی نعمتوں کو بھول جانا سراسر ناانصافی ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں متعدد قسمیں کھانے کے بعد فرمایا: ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ﴾ ''بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔'' (العاديات 100:6)

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ 'کنود' اس شخص کو کہتے ہیں جو مصیبتوں کو تو گن گن کر یاد رکھے مگر اپنے اوپر ہونے والی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بھول جائے۔ (تفسیر ابن کثیر: 559/6)

⑭ مصیبت کے بارے میں آپ جتنا زیادہ سوچیں گے، اتنا زیادہ پریشان ہوں گے اور وہ پریشانی آپ کے ذہن پر سوار ہوجائے گی۔ شیطان کو موقع ملے گا اور وہ آپ کو مزید الجھا کر رکھ دے گا۔ اس لیے مصیبت کے وقت زیادہ سوچ بچار کرنا اور یہ سمجھنا کہ اگر میں یوں کرتا تو ایسے نہ ہوتا، یوں نہ کرتا تو ایسے نہ ہوتا وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو چیز تمھارے لیے نفع مند ہو، اس کی حرص کرو، اللہ سے مدد مانگو اور ہمت نہ ہارو۔ اگر تمھیں کوئی مصیبت پہنچ جائے تو یہ مت کہو کہ اگر میں یوں کرتا تو ایسے نہ ہوتا۔ بلکہ یہ کہو کہ ''اللہ نے مقدر کیا اور جو اس نے چاہا وہی کیا۔'' اس لیے کہ لفظ ''اگر'' شیطانی وسوسوں کا دروازہ کھول دیتا ہے۔'' (صحيح مسلم: 2664) تقدیر پر ایمان رکھنا تو ایک مسلمان کا بنیادی عقیدہ ہے۔ یہ بھی تقدیر میں سے ہے کہ بندہ مصیبت پہنچنے پر یہ عقیدہ رکھے کہ جو کچھ ہوا، وہ تقدیر کے مطابق ہوا، اور ایسا ہوکر ہی رہنا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم احد پہاڑ جتنا سونا بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر ڈالو تو جب تک تقدیر پر ایمان نہیں لاؤ گے اللہ تعالیٰ اسے تم سے قبول نہیں کرے گا۔ اور جب تک یہ نہ جان لو گے کہ جو کچھ تمھیں پہنچا ہے وہ کسی صورت فوت نہیں ہوسکتا تھا اور جو حاصل نہیں ہوا، وہ کسی صورت تمھیں مل سکتا تھا۔ اگر تم اس عقیدے کے سوا کسی اور پر مر گئے تو جہنم میں جاؤ گے۔'' (سنن أبي داود: 4699، وسنن ابن ماجه: 77)



⑮ یہ حقیقت کبھی فراموش مت کیجیے کہ یہ دنیا کی عارضی اور چند روزہ زندگی دکھوں اور تکلیفوں کا گہوارہ ہے۔ مومن کے لیے تو اس میں رہنا زیادہ مشکل ہے کیونکہ اس پر آزمائشیں اور بلائیں زیادہ آتی ہیں۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے۔'' (صحیح مسلم: 2956) لیکن مومن کی یہ قید دائمی نہیں بلکہ عارضی ہے۔ جنت کی نعمتوں کو ایک بار دیکھ لینے ہی سے یہ ساری تکلیفیں اور مصیبتیں، جن کو مومن اپنی زندگی میں جھیلتا رہا، بھول جائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن جہنمیوں میں سے ایک آدمی کو لایا جائے گا جو دنیا والوں میں سب سے زیادہ آسودہ حال اور دولت مند تھا، اسے جہنم میں ایک بار غوطہ دیا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائے گا: اے ابن آدم! کیا تم نے دنیا میں آرام دیکھا تھا؟ کیا تمھیں کبھی کوئی نعمت ملی تھی؟ تو وہ کہے گا: اللہ کی قسم! اے میرے رب! کبھی نہیں۔ پھر جنتیوں میں سے ایسے شخص کو لایا جائے گا جو دنیا میں سب سے زیادہ سخت تکلیف میں رہا۔ اسے جنت میں ایک غوطہ دیا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائے گا: اے آدم کے بیٹے! تم نے کبھی کوئی تکلیف دیکھی ہے؟ کیا تمھارے اوپر کبھی شدت اور رنج بھی گزرا ہے؟ وہ کہے گا: کبھی نہیں، اللہ کی قسم! اے میرے رب! مجھ پر تو کبھی تکلیف نہیں گزری اور میں نے کبھی شدت اور سختی دیکھی ہی نہیں۔'' (صحیح مسلم: 2807)

⑯ جہنم کی سختیوں، ہولناکیوں اور عذابوں کو یاد کیجیے اور جنت کی نعمتوں کو پیش نظر رکھیے تو آپ کے لیے صبر کرنا آسان ہوجائے گا کیونکہ آپ اللہ کے مومن اور صابر و شاکر بندے ہیں اور جنت میں داخلے کی اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں۔ اس لیے تکلیفوں سے پریشان مت ہوں، بلکہ یاد رکھیں کہ یہ تکلیفیں کب تک میرے ساتھ رہیں گی؟ یہ عارضی ہیں۔ میرا اصل ٹھکانہ تو جنت ہے۔ کون سی جنت؟ جس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں، جنھیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا کبھی خیال گزرا۔'' (صحیح البخاري: 3244، و صحیح مسلم: 2824)

اور وہ ایسی جنت ہے جس میں کوئی بیماری ہے نہ بڑھاپا۔ نہ کوئی دکھ نہ کوئی تکلیف۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک اعلان کرنے والا جنتیوں کو مخاطب کرکے کہے گا: تم ہمیشہ تندرست رہوگے کبھی بیمار نہیں پڑو گے۔ تم ہمیشہ زندہ رہوگے تمھیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ تم ہمیشہ جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہیں ہوگے اور تم ہمیشہ عیش میں رہو گے کبھی کوئی رنج نہ ہوگا۔'' (صحیح مسلم: 2837)

⑰ صبر پیدا کرنے میں جو چیز آپ کی معاون ہوسکتی ہے وہ صبر پر ملنے والا اجروثواب ہے۔ تکالیف و مصائب کے پہنچنے پر یہ سوچ کر صابر رہیے کہ اللہ تعالیٰ اس صبر کی بدولت آپ کو بے حساب اجروثواب سے نوازے گا۔ اس نے قرآن مجید میں اپنے بندوں سے وعدہ کر رکھا ہے۔ فرمایا: ﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ''بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا پورا پورا اجر بے حساب دیا جائے گا۔'' (الزمر 10:39) بس یہی نہیں، بلکہ صبر کرنے والوں کو جنت میں فرشتے سلام پیش کریں گے اور کہیں گے: ﴿سَلَامٌ عَلَيْكُم بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ ''تم پر سلام ہو، اس لیے کہ تم نے صبر کیا، لہٰذا آخرت کا گھر بہت خوب ہے۔'' (الرعد 24:13)

اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کو تسلی دی ہے کہ وہ یہ مت سمجھیں کہ اللہ ان کے صبر کی کوئی قیمت نہیں چکائے گا اور اسے ضائع کردے گا بلکہ فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ''اور صبر کیجیے کہ بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔'' (ھود 115:11) اور فرمایا: ﴿إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ''بے شک جو ڈرے اور صبر کرے تو اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔'' (یوسف 90:12) تکلیف پر صبر کرنے والا مومن جس قدر اجروثواب کا حق دار ٹھہرتا ہے، اتنا اجروثواب اس مومن کو نہیں ملتا جو صبر نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو مومن لوگوں سے ملتا جلتا ہے اور ان سے ملنے والی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے، وہ اس مومن سے زیادہ ثواب حاصل کرلیتا ہے جو لوگوں سے ملتا جلتا نہیں اور ان کی طرف سے آنے والی تکلیف پر صبر نہیں کرتا۔'' (سنن ابن ماجه:4032، وجامع الترمذي: 2507)

⑱ مصائب و آلام کا صبر کے ذریعے مقابلہ کرنا اللہ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے ہمیشہ اللہ سے دعا گو رہیے کہ اے باری تعالیٰ! ہم کمزور ہیں، تیری آزمائشوں پر پورا اترنے کے قابل نہیں، ہمیں صبر سے نواز دے اور دین پر ثابت قدمی عطا فرما۔

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے جادوگروں کے ساتھ مقابلہ ذکر فرمایا ہے۔ فرعون نے جب اپنے جادوگروں کا مقابلہ موسیٰ علیہ السلام سے کروایا تو جادوگر موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی پھینکنے سے اپنے جادو کا اثر زائل ہوتا دیکھ کر سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام جادوگر نہیں بلکہ نبی ہیں، چنانچہ وہ آپ پر ایمان لے آئے۔ فرعون نے ان کو ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالنے اور سولی پر چڑھانے کی دھمکی دی تو اس موقع پر ایمان لانے والے جادوگروں نے اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی: ﴿رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ﴾ ''اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں اس حال میں فوت کر کہ فرماں بردار ہوں۔'' (الاعراف 126:7) اسی سے ملتی جلتی ایک دعا طالوت کے لشکر نے کی تھی، جب ان کا سامنا جالوت سے ہوا تھا: ﴿رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ﴾ ''اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ان کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما۔'' (البقرۃ 250:2)

❁❁❁❁

ملالہ کے ''کارنامے''



تعلیمی میدان میں

* تعلیم.....انڈر میٹرک
* ذہانت.....قدرے کمزور
* پوزیشن.....کوئی نمایاں پوزیشن نہیں لی۔ بس کلاس کی حد تک کچھ نہ کچھ پوزیشنیں آتی رہیں۔
* سکول میں داخلہ.....کسی نہ پڑھنے والے بچے کو سکول میں داخلہ نہیں دلوایا۔
تاحال کسی بچے سے کام چھڑوا کر اسے سکول داخل نہیں کرایا۔
* سکول کا اجرا.....تاحال ملالہ نے ایک چھوٹے لیول کا سکول بھی نہیں کھولا
(تعلیم حاصل کرنے کے دور میں وہ مغرب کی تشہیری گڑیا بن بیٹھی)

رفاہِ عامہ کے امور میں

* کوئی ہسپتال بنایا نہ کوئی ادارہ اور رفاہِ عامہ کا کوئی نمایاں کام بھی نہیں کیا۔

سیاسی میدان میں

* ملکی سیاست میں کبھی حصہ نہ لیا
* سیاست کی الف ب سے بھی ناواقف مگر وزیرِ اعظم بننے کا شوق

عالم کفر کی طرف سے اعزازات

* امریکی یونیورسٹی کی جانب سے اعزازی ڈگری * کینیڈا کی طرف سے شہریت کی پیشکش * اوباما اور مشعل اوبامہ سے ملاقات * ملکہ برطانیہ سے ملاقات * ورلڈ بینک کے چیئرمین سے ملاقات * اقوام متحدہ کی یوتھ اسمبلی میں اجلاس کا اہتمام اور خطاب * یوم ملالہ/ملالہ ڈے منانے کا اعلان * سیکڑوں اعزازی انعامات * نوبل انعام کے لیے نامزدگی * ملالہ کے والد ضیاء الدین کی ملازمت

کارنامے تو کوئی خاص نہیں مگر اضافی پروٹوکول مل رہا ہے.....آخر کیوں؟ کیا پاکستان کو ایک امپورٹڈ ''بے نظیر'' دی جا رہی ہے؟



ماہِ محرم کی شرعی حیثیت

خطاب: الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ
اعداد: حافظ شبیر صدیق، ریسرچ فیلو دارالسلام

خطبہ مسنونہ، امابعد: محرم کے مہینے کا آغاز ہو چکا ہے۔ اس کی شرعی حیثیت یہ ہے کہ اللہ کے بنائے ہوئے بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ ہے ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا﴾ (التوبة 9:36) اللہ تعالیٰ نے سال کے بارہ مہینے بنائے ہیں، ان میں سے ایک محرم کا مہینہ بھی ہے۔ اور اس کی مزید شرعی حیثیت یہ ہے کہ حرمت والا مہینہ ہے۔ فرمایا: ﴿مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ چار مہینے حرمت والے ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحج، محرم اور رجب۔ (صحيح البخاري: 3197) حرمت سے مراد یہ ہے کہ یہ مہینے بڑے محترم ہیں۔ اور مسلمانوں کو ان کا احترام ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ان مہینوں میں کفار کے ساتھ بھی جنگ نہ کرو چہ جائیکہ آپس میں۔ فتنے برپا نہ کرو، شرانگیزی نہ کرو۔ ان کی حرمت کا احترام رکھو۔ محرم کے مہینے کی مزید شرعی حیثیت یہ ہے، نبی علیہ السلام کی ایک حدیث ہے: «اِنَّ اَفْضَلَ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ صِيَامُ شَهْرِ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ» ''رمضان کے روزوں کے بعد سب سے افضل روزہ اللہ تعالیٰ کے مہینے محرم کا روزہ ہے۔ (صحيح مسلم: 1163) اس حدیث میں محرم کی دو فضیلتیں سامنے آتی ہیں: ایک یہ کہ اللہ رب العزت نے محرم کے مہینے کو اپنا مہینہ قرار دیا ہے: «شَهْرُ اللّٰهِ» اللہ کا مہینہ ہے۔ یہ نسبت اس مہینے کے شرف کی دلیل ہے۔ باقی شرف کی جو وجوہات ہیں ان کا ذکر نہیں ہے۔ اس مہینے کو شہر اللہ قرار دینا زبردست فضیلت ہے۔ جیسے زمین کی ساری مساجد اللہ کے گھر ہیں لیکن جب بیت اللہ کہا جائے تو خانہ کعبہ مراد ہوتا ہے۔ نسبت، تشریف کی نسبت ہے۔ ساری اونٹنیاں اللہ کی مخلوق ہیں لیکن صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ناقة اللّٰه کہا قرآن نے، کہ اللہ کی اونٹنی ہے۔ یہ نسبت، نسبت تشریف کہلاتی ہے، ایک چیز کے شرف اور اس کی عظمت کے اظہار کے لیے۔ تو محرم کے مہینے کو بھی شہر اللہ کہا گیا ہے، حالانکہ سارے مہینے اللہ کے ہیں اور اس کو خاص طور پر شہر اللہ کہنا اس کی عظمت اور شرف کی دلیل ہے۔ دوسری فضیلت اس حدیث میں یہ وارد ہے کہ محرم کا روزہ رمضان کے بعد سب سے افضل روزہ ہے۔ یہ روزہ کیا ہے؟ اس کی تاریخ کیا ہے؟ یہ سب احادیث میں وارد ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ محرم کی دس تاریخ کا روزہ پہلے فرض تھا پھر جب اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض قرار دے دیے تو محرم کی دس

تاریخ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔ مگر اس روزے کا استحباب اور اس کی فضیلت اور اس کا مسنون ہونا یہ اب تک برقرار اور قائم ہے۔ اس روزے کی فضیلت یہ ہے کہ فرمایا: «أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ» ایک روزہ گزشتہ سال کے تمام گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔ نبی علیہ السلام کی پوری حدیث یہ ہے: «رَمَضَانُ اِلٰى رَمَضَانَ وَثَلَاثَةُ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ذَالِكَ صِيَامُ الدَّهْرِ وَصَوْمُ يَوْمِ عَرَفَةَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُكَفِّرَالسَّنَةَ الْمَاضِيَةَ وَالسَّنَةَ الْآتِيَةَ وَصَوْمُ الْمُحَرَّمِ أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُكَفِّرَالسَّنَةَ الْمَاضِيَةَ» أوكما قال علیہ السلام. ''رمضان کے روزے اور مہینے کے تین روزے زمانے بھر کے روزے ہیں: «ذٰلِكَ صِيَامُ الدَّهْرِ» جس کو اللہ رب العزت رمضان کے روزوں کی اور ہر مہینے چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کے روزوں کی توفیق دے دے، گویا وہ شخص زمانے بھر کے روزے رکھ رہا ہے۔ اور یوم عرفہ کا روزہ دوسال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ ایک سالِ گزشتہ دوسرا سالِ آئندہ۔ اور محرم کا روزہ گزشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔'' (صحيح مسلم: 1162)

تاریخ اس کی یہ ہے: نبی علیہ السلام نے مدینہ منورہ میں یہودیوں کو دیکھا، اہل کتاب کو دیکھا کہ وہ بھی اس میں روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے پوچھا: تم روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: «هٰذَا يَومٌ نَجَّى اللّٰهُ فِيْهِ بَنِى إِسْرَائِيلَ مِنْ عَدُوِّهِمْ» یہ وہ دن ہے جس دن اللہ رب العزت نے بنی اسرائیل کو، موسیٰ علیہ السلام کی جماعت کو فرعون کی غلامی سے اور فرعون کے چنگل سے آزادی عطا فرمائی تھی۔ (صحيح البخاري: 2004) موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے جو مقاصد ہیں وہ دو تھے: ایک پوری قوم کو توحید کا پیغام دینا جو ہر نبی کی نبوت کا مقصد ہے اور دوسرا بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے آزادی دلوانا۔ آزادی کا حصول بھی ایک شرعی مقصد ہوتا ہے۔ اس کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے ایک طویل جدوجہد کی، بالآخر فرعون غرق ہوا، اس کی قوم ہلاک ہوئی اور اللہ رب العزت نے بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم اور چنگل سے آزادی عطا فرمادی۔ یہودیوں نے کہا: «وَصَامَهُ مُوسٰى شُكْرًا» موسیٰ علیہ السلام نے بھی اس دن اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے روزہ رکھا تھا۔ ہم چونکہ موسیٰ علیہ السلام کے امتی ہیں تو ہم بھی روزہ رکھتے ہیں اللہ کا شکر ادا کرنے کے لیے۔ تب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «نَحْنُ أَوْلٰى بِمُوسٰى مِنْكُمْ» (صحيح مسلم: 1130) بھلا تمھارا موسیٰ سے کیا تعلق ہے، تعلق تو ہمارا ہے۔ اس کی اساس توحید خالص، اللہ رب العزت کی ربوبیت اور اس کی الوہیت ہے۔ تمھارا کیا واسطہ ہے اور تمھارا کیا تعلق ہے! تمھارا کوئی تعلق نہیں۔ دین میں تعلق کی اساس قومیت نہیں ہے۔ تعلق کی اساس اللہ کا دین ہے۔ اللہ کی توحید ہے۔ «أَلْحُبُّ فِي اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِي اللّٰهِ» محبت اللہ کے لیے ہے اور بغض بھی اللہ کے لیے ہے۔ اور تعلق کی بنیادیں خالق اور مالک کی توحید ہے۔ فرمایا کہ روزہ ہم رکھیں گے تاکہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یکجہتی کا اظہار ہو۔ ان سے محبت کا اظہار ہو۔ تب رسول اللہ ﷺ نے اس روزے کی مشروعیت کا اعلان فرمادیا۔ لیکن چونکہ یہودی بھی رکھ رہے ہیں اور اسلام کی جو بنیادیں ہیں، اعتقادی بنیادیں، ان میں سے ایک بنیاد یہ ہے کہ کسی مسئلے میں یہود کے ساتھ تشبہ نہ ہو۔ کوئی مسئلہ ایسا نہ ہو کہ جس سے یہ ظاہر ہو رہا ہو کہ تم یہودیوں کی مشابہت اختیار کررہے ہو، ان کا تشبہ اختیار کررہے ہو۔ اب یہ الگ مسئلہ پیدا ہوگیا۔ یہودی بھی رکھیں، ہم بھی رکھیں یہ تو سیدھا سیدھا تشبہ بنتا ہے۔ اس کا ازالہ نبی علیہ السلام نے یوں فرمایا کہ ہم دو روزے رکھیں گے۔ (جامع الترمذي: 755) نو اور دس یا دس اور گیارہ۔ تاکہ ان کی مخالفت ہو۔ وہ ایک رکھتے ہیں، ہم دو رکھتے ہیں۔ ہم دو رکھیں گے یہود کی مخالفت کے لیے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہود ایک بڑی نفرت کے قابل قوم ہے۔ بڑی مبغوض اور حقیر قوم ہے۔ ایسی قوم ہے کہ کسی مسئلے میں اس قوم سے یکجہتی کا اظہار، اس قوم سے تشبہ، اس قوم سے مماثلت جائز نہیں ہے جو قوم حقارت کے قابل ہو، ٹھکرائے جانے کے قابل ہو۔ فرمایا کہ «وَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فِي الطَّرِيقِ فَاضْطَرُّوهُمْ اِلٰى أَضْيَقِ الطَّرِيقِ» ''جب تم کسی یہودی کے پاس سے گزرو تو اپنے بازو پھیلا لو اور کوشش کرو کہ ان کا راستہ تنگ کرو۔'' (صحيح مسلم: 2167، و سنن أبي داود: 5205) حالانکہ بازوؤں کو پھیلانا کبر کی ایک علامت ہے لیکن یہودیوں جیسی مبغوض قوم کے لیے کبر نہیں ہے۔ یہ اسلام کی رفعت اور اس قوم کی تحقیر ہے۔ وہ قوم جس سے

انسان ہی نہیں بلکہ درخت، پتھر اور جمادات بھی نفرت کرتے ہیں۔ چنانچہ قرب قیامت جب عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے اور چن چن کر یہودیوں کو قتل کریں گے، اس وقت یہودی پتھروں اور درختوں کی آڑ میں چھپنے کی کوشش کریں گے تب پتھر پکاریں گے اور درخت پکاریں گے: «يَا مُسْلِمُ! إِنَّ وَرَآئِي يَهُودِيٌّ تَعَالْ! فَاقْتُلْهُ» ''اے مسلمان! میرے پیچھے ایک یہودی چھپا ہوا ہے میری طرف آؤ، اسے قتل کردو۔'' (صحيح البخاري: 3593، و صحيح مسلم: 2921)

ایسی قوم جس سے پتھر بھی نفرت کریں، جمادات بھی نفرت کریں، مٹی نفرت کرے، درخت نفرت کریں وہ قوم کسی محبت کے قابل نہیں ہے کہ اس قوم کو اپنے سروں پہ بٹھایا جائے اور دوستی کی پینگیں بڑھائی جائیں اور پھر وہ اس طرح ہمارے سروں پر سوار ہوجائیں کہ جب چاہیں ہمارے علاقوں میں داخل ہوں اور ہمارے فوجیوں کو شہید کرجائیں اور ہم اس پر کوئی ایکشن نہ لیں اور کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہ کریں، سوائے چند مصنوعی باتوں کے اور کسی حقیقت کا رنگ نہ ہو یہ ایک عجیب معاملہ ہے۔ یہ قوم کسی مداہنت اور کسی اچھے سلوک کے لائق نہیں ہے۔ جس قوم سے پوری کائنات نفرت کا اظہار کرتی ہے، اس قوم کی نفرت ہی ہمارے دلوں میں موجود ہو یہ توحید کی متقاضیات میں سے ہوگا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یہود سے مخالفت کے لیے دو روزے مشروع قرار دے دیے۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ محرم کے روزے تین میں سے ایک طریقے سے رکھے جائیں: نو اور دس کا روزہ، یہ سب سے مکمل روزہ ہے، اس کا ذکر بیشتر احادیث میں ہے، اگر نو کو نہ رکھ سکے تو پھر دس اور گیارہ کا روزہ، اس کا نمبر اس (پہلی صورت) کے بعد ہے۔ اور اگر گیارہ کو نہ رکھ سکے تو بہرکیف اصل روزہ دس ہی کا ہے، اس پر اکتفا کرلیا جائے لیکن اس طرح کہ یہود کی نفرت اور اس قوم سے بغاوت انسان کے دل میں موجزن ہو اور یہ ٹھاٹیں مارتا ہوا سمندر اس کے دل میں پوشیدہ ہو نفرت کا، بغض اور حقارت کا۔ لیکن سب سے مکمل روزہ نو اور دس محرم کا روزہ ہے۔ چنانچہ یہ بیشتر احادیث میں مذکور بھی ہے۔ اور اس کی نبی علیہ السلام نے تلقین فرمائی اور صحابہ کرام کے معمول سے یہ ثابت بھی ہے۔ یہ ہے وہ شرعی حیثیت جو اس محرم کے مہینے کی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جونہی محرم کا چاند نمودار ہوتا ہے تو شیطان دو قوموں کو گمراہی کی طرف آمادہ کرتا ہے۔ بلکہ دو قوموں کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ دو قوموں میں الحاد اور دین کے خلاف نظریہ اور فکر داخل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ ایک وہ قوم ہے جو حزن، ملال اور غم و اندوہ کی خاطر ان دنوں میں ماتم کرتی ہے، سینہ کوبی کرتی ہے، رخسار پیٹتی ہے، گریبان چاک کرتی ہے، اپنے آپ کو زخمی کرتی ہے۔ یہ پوری کی پوری شیطان کی ایک وہ تدبیر ہے جو یہ قوم پر آزماتا ہے اور خوب خوب اس قوم کو اللہ کے دین سے دور کرتا ہے۔ دوسری وہ قوم ہے جو اس مہینے کی آمد سے خوشیوں کا اظہار کرتی ہے۔ یہ خوارج ہیں اور خوارج میں سے خاص طور پر ایک ناصبی طبقہ۔ ان کے دل نبی علیہ السلام کے خاندان کے بغض سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ ان دنوں میں خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ دسترخوان وسیع کرتے ہیں، طرح طرح کے پکوان تیار کرواتے ہیں، بچوں کو نئے کپڑے پہناتے ہیں اور جس طرح عید کے موقع پر عیدی تقسیم ہوتی ہے اسی طرح ان دنوں میں بچوں پر اپنا مال وسعت کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اور یہ دونوں قومیں درحقیقت شیطان کے زیر اثر ہیں۔ ان کو شیطان ان مہینے کی آمد سے پوری طرح ورغلاتا ہے۔ باقی معاملہ کیا ہے؟ معاملہ یہ ہے کہ 61 ہجری میں دس محرم کو ایک سانحہ رونما ہوا جس میں نبی علیہ السلام کے نواسے کو ان کے خاندان کے بہت سے افراد کے ساتھ شہید کردیا گیا۔ ہم اس سانحے کی اساس یا اس کی تاریخی حیثیت پر بات نہیں کرتے لیکن ایک شرعی حیثیت ضرور سمجھانا چاہتے ہیں۔ اس سانحے کے تعلق سے ہمارا شرعی کردار کیا ہونا چاہیے؟

دس محرم 61 ہجری کو نبی علیہ السلام کے نواسے حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے بہت سے افراد کو شہید کردیا گیا اور یہ ایک سانحہ ہے۔ ایک ایسا سانحہ جو غم و اندوہ سے بھرپور ہے۔ بچوں کی شہادت، خواتین کی شہادت، یقیناً ایک بڑا المیہ ہے۔ اور یہ تاریخ سے ثابت ہے۔ اگرچہ اس حوالے سے تقریباً ننانوے فیصد

جھوٹے قصے لوگ روایت کرتے ہیں۔ فلاں راوی نے کہا، فلاں راوی نے کہا، یہ جملہ استعمال کرکے ٹکا ٹکا کے جھوٹ بولتے ہیں۔ وہ راوی کون ہے؟ کہاں بیٹھا ہوا تھا؟ اور کہاں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اور تاریخ مرتب کررہا تھا؟ کوئی یہ ثابت نہیں کرسکتا لیکن محض راوی کے نام پر، راوی کی گردن پر یہ سارا جھوٹ ڈال دیا جاتا ہے۔ اس کا صداقت اور صحت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ امر واقع یہی ہے کہ اس دن جناب حسین رضی اللہ عنہ اور بہت سے آپ کے اہل بیت کو شہید کیا گیا۔ شرعی حیثیت کیا ہے؟ بتایئے! اللہ رب العزت کسی کو شہادت کی موت عطا فرمادے، شہادت کا تمغہ اس کے سینے پر سجادے، یہ شر ہے یا خیر ہے؟ اگر یہ شر ہے تو خوب رو، اگر یہ خیر ہے تو رونے کا کیا جواز ہے؟ ایک شخص شہادت کا تمغہ سجا کر اللہ کا قرب حاصل کرچکا ہے۔ اور شہید کا درجہ اس امت میں تیسرا درجہ ہے۔ پہلا درجہ انبیاء کا ہے، نبی کا ہے، دوسرا صدیقین کا ہے اور تیسرا شہداء کا ہے۔ ایک عظیم منصب پر وہ فائز ہوگئے اور ایک انتہائی سعادت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ مقام تو ان کے لیے باعث سعادت ہے، باعث خیر ہے۔ ایک شخص کو خیر ملے، ایک شخص کو سعادت ملے اور اس پر آپ صدیوں روئیں، کیا اس کا جواز ہے اور کیا اس کی شرعی یا عقلی حیثیت ہے یا کوئی اخلاقی حیثیت ہے۔ یہ تو اس شخص کے لیے مقام فرحت ہے۔ ایک وقتی المیہ اور سانحہ بن جاتا ہے لیکن ابدالآباد کی سعادت کتنی بڑی خیر ہے۔ تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنے پیغمبر کے دونوں نواسوں حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو ایک عظیم سعادت سے ہمکنار کیا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «أَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ» ''یہ جنت کے نوجوانوں کے سردار ہوں گے۔'' (جامع الترمذي:3781) بڑا عظیم رتبہ ہے یہ۔ جنتی ہونے کی نوید تو مل ہی گئی لیکن جنت کے نوجوانوں کے سردار ہوں گے۔ یہ بڑا عظیم رتبہ اور مقام ہے۔

میرے دوستو اور بھائیو! عظیم رتبے اور مقام، یہ قربانیوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پہلے امتحانوں کی چکی میں پیستا ہے، اپنے بندوں کے صبر کو آزماتا ہے۔ اور جب وہ سرخرو ہوجائیں تو ان کو وہ عظیم مقام عطا فرمادیتا ہے۔ حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو ابتدائی زندگی میں کسی تکلیف کا سامنا نہیں تھا۔ صحابہ جانتے تھے یہ پیغمبر علیہ السلام کے نواسے ہیں، پیغمبر علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور پیغمبر علیہ السلام ان سے محبت کرتے ہیں۔ چنانچہ سارے صحابہ ان سے محبت کرتے تھے۔ اور وہ کسی امتحان میں نہ ڈالے گئے۔ ایک دفعہ نبی علیہ السلام خطبہ ارشاد فرمارہے تھے، حسن رضی اللہ عنہ اپنے گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے مسجد میں آگئے اور پیغمبر علیہ السلام نے ان کو اٹھا لیا اور فرمایا: «إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ» ''میرا یہ بیٹا سردار ہوگا اور اللہ رب العزت میرے اس بیٹے کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرادے گا۔'' (صحيح البخاري:2704) اس صلح کا سارا کریڈٹ اور سارا جوسہرا ہے میرے اس بیٹے کے سر بندھے گا۔ اللہ اکبر

صحابہ کرام اس حدیث کو سنتے ہیں، منبر پر سنتے ہیں، سب نے سن لیا، اس سے صحابہ کرام دو باتیں سمجھے: ایک حسن رضی اللہ عنہ کا مقام، ان کا سردار ہونا، یہ سرداری اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے عطا ہوئی۔ دوسرا یہ کہ حسن کم از کم طویل العمر ہوں گے۔ بچپن میں فوت نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے سارے بیٹوں کو بچپن میں وفات دے دی تھی۔ جو آپ کا بڑا بیٹا ابراہیم فوت ہوا، اس کی عمر ڈیڑھ سال تھی۔ باقی سب اس سے چھوٹی عمر میں فوت ہوئے۔ صحابہ کرام جو کہ یہ حدیث سنتے ہیں وہ پیغمبر علیہ السلام کے ہر فرمان پر ایمان لاتے تھے، یہ بات سمجھ گئے کہ یہ بیٹا طویل العمر ہوگا۔ سرداروں کے منصب پر فائز ہوگا اور دو گروہوں میں صلح کا سبب بنے گا، یعنی بڑا ہوکر فوت ہوگا۔ اس بات پر صحابہ ایمان لے آئے تھے۔ چنانچہ 41 ہجری کے بعد کے واقعات میں جناب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب اہل مدینہ نے جناب حسن کی بیعت کرلی، اہل شام نے جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی تو اس وقت ایک عظیم جھگڑے کی بنیاد قائم ہوچکی تھی کہ قتل و غارت گری ہو اور دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہو۔ جناب حسن رضی اللہ عنہ یہ ساری چیزیں بھانپ گئے اور اپنی اس امارت سے مستعفی ہوگئے تاکہ جھگڑا نہ ہو۔ چنانچہ جھگڑا تھم گیا اور اللہ رب العزت نے دو جماعتوں میں صلح کرادی۔ اس میں سارا کردار اسی چیز کا تھا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ

خود ہٹ گئے، مستعفی ہوگئے اور جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کو قبول کرلیا، ان کی خلافت کے تحت آگئے اور یوں ایک بہت بڑے جھگڑے کی جڑ ختم ہوگئی، اور فساد کا خاتمہ ہوگیا۔ دو گروہوں میں صلح ہوگئی اور معاملہ پرسکون ہوگیا۔ حسن رضی اللہ عنہ سردار تھے۔ یعنی مستعفی ہونے کے باوجود سردار ہیں۔ صرف دنیا کے سردار نہیں بلکہ جنت کے نوجوانوں کے بھی سردار ہوں گے۔ یہ ایک عجیب ابتلاء تھی اللہ رب العزت کی طرف سے جس میں جناب حسن پورا اترے۔ بظاہر ایک تکلیف کا معاملہ تھا مگر صبر کیا اور تنازل اختیار کرکے مسلمانوں کو جھگڑے سے بچالیا اور یہ ان کی سرداری پر منتج ہوئی۔

حسین رضی اللہ عنہ وہ بھی اسی محبت کی فضا میں پروان چڑھے تھے۔ صحابہ ان سے کیوں کسی اختلاف کا اظہار کرتے۔ صحابہ ان سے کیوں مخالفت کرتے؟ صحابہ کرام کو حسن وحسین کے چہرے میں اللہ کے پیغمبر کی شبیہ دکھائی دیتی تھی۔ ان کے چہروں میں اللہ کے پیغمبر نظر آتے تھے۔ صحابہ تو ان کو ٹوٹ ٹوٹ کر محبت کرتے تھے۔ صحیح بخاری کی حدیث ہے، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت ہے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حسین کو اٹھالیتے ہیں اور ساتھ ساتھ ایک جملہ کہتے ہیں: «شَبِيهٌ بِالنَّبِيِّ وَلَيْسَ شَبِيهٌ بِعَلِيٍّ، شَبِيهٌ بِالنَّبِيِّ وَلَيْسَ شَبِيهٌ بِعَلِيٍّ» ''یہ بیٹا تو نبی کے مشابہ ہے، علی کے مشابہ نہیں ہے۔'' (صحيح البخاري: 3750) تو نبی علیہ السلام کا چہرہ ان دو بچوں کے چہروں میں نظر آتا تھا۔

ان سے کیوں ان کی مخاصمت ہوتی۔ بہت محبت ہوئی اور بڑی محبت کی فضا میں ان دونوں کو نشوونما ملی۔ بظاہر یہ ہے کہ رتبہ بڑا عظیم تھا لیکن آزمائش نہیں تھی۔ حسن رضی اللہ عنہ کی آزمائش ہوگئی، چنانچہ 40 ہجری کے واقعات کے بعد انھوں نے منصب امارت سے تنازل اختیار کرکے اور صبر کرکے اس آزمائش میں سرخرو اپنے آپ کو ثابت کرلیا۔

باقی حسین رضی اللہ عنہ، جن کو اہل کوفہ نے خطوط لکھے: ہم آپ کے وفادار ہیں، آپ آجائیں، آپ آجائیں ہم آپ کے ہاتھوں پر بیعت کریں گے۔ بڑے خطوط آئے۔ جو کبار صحابہ تھے انھوں نے سمجھایا کہ اہل کوفہ سے کبھی وفا کی امید نہ رکھی جائے۔ یہ انتہائی وقت پر آکر غدر کرتے ہیں اور دھوکے دیتے ہیں۔ آپ نہ جائیں، نہ جائیں۔ بہت سمجھایا لیکن وہ نہ مانے اور جانے پر تیار ہوگئے۔ ہم اس تاریخ کا اعادہ نہیں کرتے لیکن بہرکیف 61 ہجری میں دس محرم کو یہ خوفناک اور خطرناک سانحہ پیش آیا۔ نبی علیہ السلام کے نواسے کو شہید کردیا گیا۔ تو یوں ان کے اہل بیت اور آپ شہادت کے رتبے پر فائز ہوگئے۔ اور یہ کلفت اور تکلیف کا راستہ مشاہیر وصالحین کی زندگی کا مقدر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: «أَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْأَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ» سخت ترین تکلیفیں نبیوں پر آتی ہیں اور نبیوں کے بعد جو انبیاء کے قریبی ہوتے ہیں، شہداء ہیں، صالحین ہیں ان پر آتی ہیں اور پھر درجہ بہ درجہ یہ تکلیفیں آتی رہتی ہیں۔ فرمایا کہ ایک شخص آزمایا جاتا ہے، جھنجھوڑا جاتا ہے «بِقَدْرِ دِينِهِ» اپنے دین کے بقدر، جتنا اس کا دین ہے اتنا اس کا امتحان ہوتا ہے۔ فرمایا کہ «إِنْ كَانَ فِي دِينِهِ صَلَابَةٌ زِيدَ فِي ابْتِلَائِهِ» اگر اس کے دین میں سختی ہو، شدت ہو، اس کا عقیدہ پہاڑ کی طرح ٹھوس ہو اور اس کا عمل انتہائی مضبوط ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی آزمائشوں کو بڑھا دیتا ہے۔ اسے خوب جھنجوڑتا ہے، اسے خوب آزماتا ہے۔ (مسند أحمد: 1/ 172، و السلسلة الصحيحة: 142/1) تبھی تو اللہ پاک کا فرمان ہے: ﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ تم کیا سمجھتے ہو جنت میں ایسے ہی داخل ہوجاؤ گے۔ ذرا بیٹھ کے سوچو کہ تم نے جنت کو پانے کے لیے کیا کیا ہے؟ کیا تمھارے پاس محنتیں ہیں؟ کیا قربانیاں ہیں؟ کیا ابتلاءات ہیں؟ سوچو ذرا۔ فرمایا کہ ہرگز نہیں، اس وقت تک نہیں جاسکتے جب تک تمھارے بیچ سابقہ قوموں کی مثالیں نہ آجائیں۔ انبیاء اور ان کی امتوں کی مثالیں جن کو جھنجوڑا گیا، فاقوں پر مجبور کیا گیا اور ان کو قتل کیا گیا، زخموں سے چُور کیا گیا اور حتی کہ اس قدر ستایا گیا، اس قدر آزمایا گیا کہ وقت کا نبی جو اپنے وقت کا صابرِ اعظم ہوتا ہے اور اس کے صحابہ اور اس کے امتی جن کا مقام انبیاء کے بعد ہوتا ہے وہ بھی چلا اٹھے: ﴿مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ﴾ یا اللہ! تیری مدد کب آئے گی۔ ﴿اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ تم صبر کرو، اللہ کی مدد قریب ہے۔ ضرور یہ مدد آئے گی۔ (البقرة 2:214)

(بقیہ صفحہ: 72)

خدارا!

حافظ محمد زاہد

اپنی بہن بیٹیوں کو

ڈیٹنگ (Dating) سے بچائیے!

نوجوان لڑکے اور لڑکی کا اپنے والدین کی آنکھوں میں دھول جھونک کر تنہائی میں ملنا اور نازیبا حرکات کرنا آج کل کی جدید اصطلاح میں ڈیٹنگ (Dating) اور ''ڈیٹ مارنا'' کہلاتا ہے۔ ڈیٹنگ کا یہ رُجحان سب سے زیادہ ہمارے تعلیمی اداروں (یونیورسٹی، کالج حتیٰ کہ سکول) کے نوجوان اور نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں میں پایا جاتا ہے۔

ذیل میں ڈیٹنگ کے حوالے سے دل دہلا دینے والے واقعات اور معلومات فراہم کی جاتی ہیں تاکہ والدین اپنے بچوں پر کڑی نظر رکھیں۔

ڈیٹنگ کے ابتدائی چند دن

نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں زیادہ تر دوستیاں موبائل فون اور فیس بک کے ذریعے شروع ہوتی ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ دوستیاں صرف باتوں تک محدود نہیں رہتیں بلکہ نوبت ملنے ملانے تک پہنچ جاتی ہے۔ اس طرح یہ جوڑے کسی جگہ پر ملنے اور ڈیٹ مارنے کا پروگرام بناتے ہیں۔ امیر گھرانوں سے تعلق رکھنے والے جوڑے جوس کارنر کی دکانوں میں موجود کیبن، آئس کریم پارلر، کھانے کے ہوٹل، میکڈونلڈ، کے ایف سی اور اس طرح کی دوسری جگہوں کا رخ کرتے ہیں۔ یہاں وہ اپنے ابتدائی دنوں کو انجوائے کرتے اور اپنے محبوب کا دل جیتنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وہ ڈیٹنگ کے اگلے مرحلے کے لیے آسانی سے راضی ہوجائے۔ دوسری طرف غریب اور متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے جوڑے ڈیٹنگ کے ابتدائی چند دن کسی پارک میں درختوں یا جھاڑیوں کی اوٹ میں گزارتے ہیں۔ لاہور میں ڈیٹنگ کے لیے تین پارک سرفہرست ہیں: ① ماڈل ٹاؤن سنٹرل پارک ② باغِ جناح اور ③ ریس کورس پارک۔

ماڈل ٹاؤن سنٹرل پارک

تحقیق کی غرض سے جب میں ماڈل ٹاؤن پارک گیا تو وہاں سیکڑوں کی تعداد میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں ڈیٹ مارنے آئے ہوئے تھے، جبکہ اُن میں سے بعض تو کالج اور سکول کے یونیفارم میں موجود تھے جو اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ یہ لوگ گھروں سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں۔ پارک میں موجود سیکورٹی گارڈز سے جب میں نے اس بارے میں پوچھا تو اُن میں سے ایک نے بتایا کہ اس پارک کے ٹکٹ کا ٹھیکہ ایک کروڑ سالانہ میں ہوا ہے اور ہمیں سختی سے منع کیا گیا ہے کہ کسی کو بری سے بری حرکات پر بھی نہ روکا جائے۔ اس لیے کہ اگر ان جوڑوں کو روکا گیا تو پھر یہاں کون آئے گا۔ ایک مالی نے بتایا کہ یہاں ہر روز سیکڑوں کی تعداد میں سکول، کالج اور یونیورسٹی



کے سٹوڈنٹ آتے ہیں اور ایسی ایسی گندی حرکتیں کرتے ہیں کہ ہمیں شرم آجاتی ہے مگر وہ بے شرم سرعام اپنے ''پیار'' میں مصروف رہتے ہیں۔اُس کا کہنا تھا کہ یہاں جھاڑیوں کی اوٹ میں ہم نے بہت سے جوڑوں کو زنا تک کرتے دیکھا ہے۔ میں نے پوچھا: کیا لڑکیاں ایسی حرکات کرنے سے لڑکوں کو منع نہیں کرتیں۔ اُس نے کہا کہ بعض لڑکیاں تو خود لڑکوں کو گندی حرکات پر اُکساتی ہیں، جبکہ بعض نوعمر لڑکیاں پہلے پہل شرم دکھاتی ہیں اور لڑکوں کو ایسی حرکات سے منع کرتی ہیں، مگر جو لڑکا اُسے اتنی دور سے لے کر آیا اور اس نے اسے کھلایا پلایا ہوتا ہے تو وہ اپنے پیسے اور اپنی ہوس پوری کیے بغیر نہیں رہتا۔

ماڈل ٹاؤن پارک کے حوالے سے ایک دوست نے لرزا دینے والی خبر بتائی کہ مغرب کے بعد اگر آپ اکیلے پارک میں جائیں تو آپ کو صرف واکنگ ٹریک تک جانے کی اجازت ہے اور پارک کے اندرونی حصے کی طرف آپ نہیں جاسکتے۔دوسری طرف اگر آپ کے ساتھ کوئی لڑکی ہے، یعنی آپ جوڑے کی شکل میں ہیں تو آپ بلا روک ٹوک اندرونی حصے میں جاسکتے ہیں۔اس لحاظ سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ پارک کی انتظامیہ نے جوڑوں کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے کہ وہ جو چاہیں کریں، اُن کو نہ تو انتظامیہ کا کوئی اہلکار تنگ کرے گا اور نہ ہی عام شخص کی وہاں تک رسائی ہوسکے گی۔اب کسی بھی عقل مند بندے کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جب دن کے اُجالے میں پارک میں اتنا کچھ ہوتا ہے تو رات کے اندھیرے میں کیا کچھ نہیں ہوتا ہوگا۔ استغفراللہ!

اس حوالے سے میں نے ماڈل ٹاؤن سوسائٹی کے صدر کو خط لکھا اور اسے آگاہ کیا کہ آپ کی زیرِ سرپرستی چلنے والا پارک ''ڈیٹنگ پوائنٹ'' بن چکا ہے جہاں ہر روز سیکڑوں کی تعداد میں جوڑے اپنی ہوس پوری کرتے نظر آتے ہیں اور ہر روز شریف گھرانوں کی سیکڑوں لڑکیاں اپنی عزت سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں۔آخر میں میں نے اُن سے اس کے سدِّ باب کے لیے اقدامات کرنے کی گزارش کی اور انھیں یہ بھی بتایا کہ اگر آپ اپنی حد تک کوشش نہیں کرتے تو آپ اس گناہ میں برابر کے شریک سمجھے جائیں گے اور کل قیامت کے دن آپ سے اس کے بارے میں ضرور پوچھ گچھ ہوگی۔میں یہ تفصیلی خط خود اُن کے دفتر لے کر گیا جہاں اُن کے پرسنل سیکریٹری سے میری ملاقات ہوئی اور میں نے وہ خط اُنھیں دیا۔اس خط کو دیے تقریباً دو ماہ کا عرصہ ہوگیا مگر اُن کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا اور نہ ڈیٹنگ کو روکنے کے لیے کوئی اقدامات دیکھنے میں آئے۔

باغِ جناح لاہور

ڈیٹنگ کے حوالے سے دوسرا پارک باغِ جناح ہے۔باغِ جناح کا حال بھی ماڈل ٹاؤن پارک جیسا ہے اور اس پارک میں تو چند ایک پہاڑیاں بھی موجود ہیں جو ڈیٹ پر آئے جوڑوں کے لیے کسی فائیو سٹار ہوٹل کے کمرے سے کم نہیں ہیں، اس لیے کہ یہاں انھیں مکمل تنہائی میسر آتی ہے اور انھیں کسی کا ڈر نہیں ہوتا۔

اس حوالے سے جب میری باغِ جناح کے ڈائریکٹر سے بات ہوئی تو انھوں نے بتایا کہ تحفظ حقوقِ نسواں بل کے بعد ہمارے آئین میں اب کوئی ایسی دفعہ نہیں ہے جس کے تحت ہم کسی جوڑے سے اُن کا باہمی رشتہ دریافت کرسکیں۔اس کے باوجود میں نے شروع میں اس کے سدّ باب کے لیے کافی کوششیں کیں، مگر اُلٹا مجھے اس کا نقصان ہوا۔اُن کا کہنا تھا کہ جب میں نے ایک جوڑے کو نازیبا حرکات کرتے دیکھا تو سیکورٹی گارڈ کے ذریعے انھیں اپنے آفس میں بلایا تاکہ ان کے گھر والوں سے رابطہ کرکے انھیں ساری صورتحال سے آگاہ کیا جائے۔جب اُن کے والدین آئے تو اُس لڑکی نے اُلٹا مجھ پر دست درازی کا الزام لگا دیا جس کی وجہ سے مجھ پر 9 ناقابل ضمانت دفعات کے تحت مقدمہ درج ہوا۔اس کے علاوہ ایک بار میں نے ایک جوڑے کو ایسی ہی حرکات کرتے دیکھا تو میں اُن کو پکڑ کر اپنے آفس میں لایا تاکہ اُن کے گھر والوں کو اُن کے بچوں کی ان حرکات کی اطلاع دوں تو فوراً ہی پارک میں موجود چند معزز اور پڑھے لکھے لوگ میرے دفتر میں آگئے اور انھوں نے اُس جوڑے کے گھر والوں کو اطلاع دینے کے حوالے سے مجھ سے بحث شروع کردی۔اُن کا کہنا تھا کہ اگر آپ ان کے گھر والوں کو اطلاع دیں گے تو ان کی عزت پر حرف آئے گا اور کل ان کی



شادیاں نہیں ہوں گی۔اس طرح اُن معززین نے مجھے اُن کے گھر والوں کو اطلاع دینے سے بھی باز رکھا۔ڈائریکٹر صاحب کا کہنا تھا کہ اگر پارک میں موجود لوگ ہی ہمارا ساتھ دیں تو ہم ڈیٹ پر آنے والے جوڑوں کے خلاف کچھ کر سکتے ہیں مگر افسوس کہ پارک میں موجود نام نہاد معززین ہی ہمارا ساتھ نہیں دیتے۔

اُن کا کہنا تھا کہ ڈیٹنگ کے بڑھتے واقعات کا ایک سبب والدین کی ''روشن خیالی'' اور والدین کی طرف سے اپنے بچوں کو دی گئی بے جا کھلی آزادی ہے۔انھوں نے بتایا کہ کچھ عرصہ پہلے میں نے یونیفارم میں ملبوس ایک جوڑے کو اسی طرح ڈیٹ مارتے دیکھا تو میں نے لڑکے سے اُس کے والد کا نمبر مانگا تو اس نے کہا کہ میرے والد تو باہر کے ملک ہوتے ہیں۔میں نے کہا کہ گھر میں کسی اور کا نمبر دیں تو اس نے اپنی والدہ کا نمبر مجھے دیا۔میں نے اُس کی والدہ کو فون کیا اور ابھی اتنا ہی کہا کہ آپ کا بیٹا یونیفارم میں ملبوس باغِ جناح میں موجود ہے۔تو فوراً خاتون کی طرف سے انتہائی غصیلے لہجے میں جواب ملا کہ ظاہری بات ہے کہ وہ کسی لڑکی کے ساتھ ہی باغ میں آیا ہوگا۔اس عمر میں اگر وہ کسی لڑکی کے ساتھ نہیں آئے گا تو پھر کب آئے گا۔ڈائریکٹر صاحب کا کہنا تھا کہ یہ جواب سنتے ہی میں خاموش ہوگیا اور میں نے فون بند کردیا۔بہرحال میں نے یہ کیا کہ یونیفارم میں موجود لڑکوں اور لڑکیوں کا پارک میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔

اُن کا یہ بھی کہنا تھا کہ یہ پارک ڈیڑھ سو ایکٹر پر پھیلا ہوا ہے اور اس میں صرف 12 سیکورٹی گارڈز ہیں۔پارک کے 11 گیٹ ہیں اور ہر گیٹ پر ایک گارڈ موجود ہوتا ہے۔باقی ایک گارڈ کی ڈیوٹی ہمارے آفس میں ہوتی ہے۔اگر ہمیں اتنے ہی میل اور فی میل گارڈز دیے جائیں، پھر پارک میں آنے والی فیملیاں ہمارا ساتھ دیں اور آئینی طور پر بھی ہمیں ایسے جوڑوں کو روکنے کا اختیار مل جائے تو پھر ہم اس کے سدّباب کے لیے مؤثر اقدامات کرسکتے ہیں۔بہرحال اُن کی باتوں سے یہ چیز تو واضح ہورہی تھی کہ انھوں نے اس کے سدّباب کے لیے اپنی کوشش ضرور کی ہے۔

ریس کورس پارک

چند سال پہلے تک ریس کورس پارک بھی اسی زمرے میں آتا تھا جہاں ڈیٹنگ کا دھندا اپنے عروج پر تھا،اسی بنا پر میں نے ابتدا میں اس پارک کو بھی ڈیٹنگ پوائنٹ قرار دیا۔مگر جب میں پی ایچ اے کے جنرل ڈائریکٹر کو اس حوالے سے خط دینے گیا تو خط دینے کے بعد میں نے اس پارک کا چکر لگایا اور مجھے خوشی ہوئی کہ میں نے وہاں ایسی کوئی خباثت نہیں دیکھی۔اگلے دن مجھے پی ایچ اے کے ڈائریکٹر ایڈمن کا فون آیا۔انھوں نے بتایا کہ پچھلے تین سال سے ہم نے اس پارک کو بہت کنٹرول کیا ہے اور میں خود صبح اور شام کو یہاں واک کرتا ہوں۔انھوں نے مجھے باقاعدہ دعوت دی کہ میں جب چاہوں اُن کے ساتھ پورے باغ کا چکر لگا سکتا ہوں۔بہرحال ریس کورس میں حالات خاصی حد تک بہتر ہیں، البتہ ایک بات کی طرف انھوں نے میری توجہ دلائی کہ ریس کورس پارک میں شام ہوتے ہی بہت زیادہ تعداد میں نوجوان لڑکیاں اکیلی واک کرنے آجاتی ہیں جنھیں دیکھ کر مجھے بڑی حیرانی ہوتی ہے کہ ان کے والدین اپنی نوجوان لڑکیوں کو اس طرح اکیلا کیوں آنے دیتے ہیں۔

جب میں نے ان سے باغِ جناح کی بات کی تو انھوں نے بھی اُسی صورتحال کا ذکر کیا جو ڈائریکٹر باغِ جناح نے کیا تھا۔میری گزارش پر انھوں نے باغِ جناح کے حالات پر بھی غور کرنے اور وہاں سیکورٹی گارڈز کی تعیناتی کی بات کی جو یقیناً خوش آئند ہے۔

ڈیٹنگ کا دوسرا مرحلہ

ڈیٹنگ کا دوسرا مرحلہ دل دہلا دینے والا ہے۔غریب جوڑے اپنے کسی دوست کے گھر کا انتخاب کرتے ہیں جس کے گھر والے کسی تقریب وغیرہ میں گئے ہوتے ہیں،جبکہ امیر زیادہ تر ہوٹلوں اور جابجا موجود پرائیویٹ گیسٹ ہاؤس کا انتخاب کرتے ہیں(یہی وجہ ہے کہ گزشتہ چند سالوں میں پرائیویٹ گیسٹ ہاؤس کا کاروبار بہت تیزی سے عروج پر جارہا ہے۔)اس طرح ان جوڑوں کو مکمل تنہائی میسر آتی ہے اور پھر یہ جوڑے وہ تعلق قائم کرلیتے ہیں جو میاں بیوی شادی کے بعد قائم کرتے ہیں۔شادی سے پہلے ایسا تعلق قائم کرنے کو ''زنا'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسلام میں اس کی سزا سو کوڑے ہے۔پاکستانی قانون میں بھی یہ ایک قابل سزا جرم ہے۔



ڈیٹنگ اور بلیک میلنگ

ڈیٹنگ کے ظاہری نقصانات تو سب کے سامنے ہیں، جبکہ اس کا ایک بہت بھیانک نقصان ''بلیک میلنگ'' ہے۔ یہ جوڑے جہاں ڈیٹ مارنے جاتے ہیں وہاں کی انتظامیہ خفیہ کیمروں سے اُن کی ویڈیو بنا لیتے ہیں۔ اور پھر ان کو بلیک میل کرتے ہیں۔ لڑکوں سے تو وہ رقم کا مطالبہ کرتے ہیں جبکہ لڑکیوں سے رقم کے ساتھ جنسی تعلقات کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ اب یہ دونوں پولیس اور اپنے گھر والوں کے ڈر سے ان کے مطالبات ماننے پر مجبور ہوتے ہیں۔

ابھی چند سال پہلے اسلام آباد، کراچی اور پاکستان کے چند ایک اور بڑے شہروں میں انٹرنیٹ کلب کے کیبنوں میں ڈیٹنگ پر آئے ایسے ہی ہزاروں جوڑوں کی غیر اخلاقی ویڈیوز کے منظر عام پر آنے نے ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ کئی لڑکیوں نے اس پر خودکشیاں کیں اور کئی ایک کے گھر اُجڑے۔ اسی طرح ابھی پچھلے سال ویلنٹائن ڈے کے موقع پر کراچی کے آئس کریم پارلر پر ڈیٹ پر گئے سیکڑوں کی تعداد میں جوڑوں کی ویڈیو انتظامیہ نے بنا کر انتہائی مہنگے داموں گندی سائٹس کو نہ صرف بیچیں بلکہ اُن جوڑوں کو بلیک میل بھی کیا۔

بلیک میلنگ کا دوسرا رخ یہ ہے کہ لڑکے چونکہ مخلص نہیں ہوتے تو وہ خود سے جنسی تعلقات کے دوران اپنی محبوبہ کی ویڈیو بنا لیتے ہیں۔ بعض لڑکے تو یہ ویڈیو گندی سائٹس کو اچھی خاصی رقم کے بدلے بیچ دیتے ہیں اور اس طرح اس لڑکی کی عزت پلک جھپکتے ساری دنیا میں نیلام ہوجاتی ہے۔ جبکہ بعض لڑکے ان ویڈیوز سے لڑکیوں کو بلیک میل کرکے رقم بھی بٹورتے ہیں اور اپنی ہوس بھی پوری کرتے رہتے ہیں اور اپنے دوستوں کو بھی اس لڑکی کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ایسے سیکڑوں واقعات اب تک میڈیا میں رپورٹ ہوچکے ہیں اور رپورٹ نہ ہونے والے واقعات کی تعداد ہزاروں میں ہے۔

دل دہلا دینے والا ایک واقعہ

اس حوالے سے ایک واقعہ ملاحظہ ہو جس کو پڑھ کر شاید آپ کے بھی رونگٹے کھڑے ہوجائیں گے۔ ملتان کے ایک سکول کی نویں جماعت کی طالبہ کی موبائل پر ایک لڑکے سے دوستی ہوگئی۔ انھوں نے ڈیٹ پر جانے کا پروگرام بنایا اور ایک پارک میں ملے۔ وہاں موجود لڑکے کے دوستوں نے اُن کی ویڈیو بنا لی۔ چند دن بعد ایک لڑکے نے ویڈیو دکھا کر اُسے اپنے دوست کے گھر بلا کر اپنی ہوس کا نشانہ بنایا اور اس کی ویڈیو بھی بنا لی۔ کچھ دن تک وہ لڑکا ہر روز اس لڑکی کے جسم کو نوچتا رہا اور پھر جب اس لڑکے کا دل بھر گیا تو اُس نے وہ ویڈیو اپنے دوستوں کو دے دی۔ پھر اس کے دوستوں نے باری باری اس معصوم لڑکی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ درندگی کی انتہا دیکھیے کہ پندرہ سالہ بچی مسلسل چھ ماہ تک بیس لوگوں کی ہوس کا نشانہ بنتی رہی، لیکن اپنی اور اپنے والدین کی عزت کی خاطر چپ چاپ سب سہتی رہی۔ جب اُن کا دل بھی بھر گیا تو اُن درندوں نے وہ ویڈیو لڑکی کے باپ کو دکھا کر تین لاکھ کا مطالبہ کیا۔ باپ نے پولیس کو اطلاع دی تو اُن میں سے تین ملزمان گرفتار ہوگئے۔ آپ سوچیے کہ یہ سب صرف ایک بار ڈیٹ مارنے کا نتیجہ ہے اور اب اُس لڑکی اور اس کے گھر والوں کے پاس جینے کا کون سا بہانا باقی ہے۔

بیٹی پر نظر رکھنے والی ماں کو سلام

بہت تیزی کے ساتھ بڑھتے ہوئے ڈیٹنگ کے سیلاب کے سامنے بند باندھنے کے لیے والدین کا اپنے بچوں پر نظر رکھنا بے حد ضروری ہے، اس لیے کہ بچوں کے کسی بھی فعل سے والدین کی عزت خاک میں مل سکتی ہے۔ باغِ جناح میں موجود دارالسلام لائبریری کے انچارج سے جب میری ملاقات ہوئی اور میں نے انھیں ڈیٹنگ کے حوالے سے بتایا تو انھوں نے مجھے ایک واقعہ سنایا جو میں قارئین کے گوش گزار کررہا ہوں۔

انھوں نے بتایا کہ کچھ عرصہ پہلے ایک لڑکی اپنی والدہ کے ساتھ ہماری لائبریری میں سٹڈی کے لیے آئی۔ لڑکی لائبریری میں داخل ہوگئی اور والدہ وہاں سے تھوڑی سی دور ایک درخت کے پیچھے چھپ کر کھڑی ہوگئی تاکہ وہ اپنی بیٹی پر نظر رکھ سکے۔ ابھی پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ لڑکی لائبریری سے نکلی اور بہت خوشی سے پہلے سے باہر موجود ایک لڑکے سے محوِ گفتگو ہوگئی اور پھر وہ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے آگے جانے لگے۔ اسی اثنا میں لڑکی کی والدہ درخت کی اوٹ سے نکلی



اور اس نے اپنی بیٹی کو بالوں سے پکڑ کر پہلے تو ہاتھوں اور لاتوں سے خوب مارا۔ پھر چپل اُتار کر اُس کی درگت بنائی اور اسے گھسیٹتی ہوئی باہر گیٹ کی طرف یہ کہتے ہوئے لے گئی کہ تو گھر چل تو تیرا باپ تیری خبر لے گا۔

یہ واقعہ سن کر میرے دل میں نہ صرف اُس ماں کے لیے تعریفی احساسات پیدا ہوئے بلکہ میں نے برملا یہ کہا کہ اگر ماں اپنی بیٹی پر نظر نہ رکھتی تو کل یہی لڑکی اس ماں کی عزت کو چہار سو بدنام کرتی۔ آج بھی ایسی ہی ماؤں کی ضرورت ہے جو اپنی اولاد اور خاص کر بیٹیوں پر نظر رکھیں۔

ڈیٹنگ کے حوالے ہی سے ایک اور واقعہ میں قارئین کے گوش گزار کرنا چاہوں گا جو مجھے میرے ایک دوست نے بتایا۔ پرائیویٹ ہوسٹل میں رہائش پذیر ایک لڑکی نے اپنی روم میٹ کو بڑی خوشی اور جوش میں بتایا کہ کل میں نے اپنے بوائے فرینڈ کو خوب لوٹا۔ پہلے میکڈونلڈ سے برگر اور آئس کریم کھائی، پھر فلم دیکھنے چلے گئے اور واپسی پر کافی پی۔ دوست نے پوچھا: پھر تم رات کو کب واپس آئی؟ اُس نے کہا: نہیں، میں واپس نہیں آئی بلکہ ہم ایک ہوٹل میں چلے گئے۔ رات وہاں گزاری اور میں صبح واپس آئی ہوں۔ قارئین! آپ اندازہ لگائیں کہ اس معصوم لڑکی نے اپنی سب سے قیمتی چیز اُس لڑکے کو محض ایک برگر اور فلم کے عوض بیچ ڈالی۔ استغفراللہ! یہ واقعہ سنتے ہی میں سوچ میں پڑ گیا کہ کیا عورتوں کی عزت اتنی سستی ہوگئی ہے!

اس واقعے کی روشنی میں میری اُن والدین اور بھائیوں سے گزارش ہے جن کی بیٹیاں یا بہنیں کسی ہوسٹل میں رہائش پذیر ہیں کہ ہوسٹل میں رہنے والی اکثر لڑکیاں برائی میں پڑ جاتی ہیں اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ انھیں نہ تو کوئی روک ٹوک ہوتی ہے اور نہ کسی کا ڈر۔ اب انھیں سوچنا چاہیے کہ وہ اپنی بہن بیٹیوں کی عزت کے حوالے سے کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ میری رائے تو یہی ہے کہ عزت کو تعلیم پر ترجیح دینی چاہیے اور اگر کوئی مناسب مواقع نہ ہوں تو اپنی جوان بیٹیوں کو ہوسٹلائز کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

دردمندانہ گزارش

ڈیٹنگ کے ایسے بے شمار نقصانات ہیں کہ کوئی بھی عقل وفہم رکھنے والا اور دوسروں کی بہن بیٹیوں کو اپنی بہن بیٹی سمجھنے والا انسان سوچ کر بھی کانپ اُٹھتا ہے۔ اس ضمن میں میری پارک انتظامیہ سے گزارش ہے کہ سیکورٹی گارڈز، مالیوں اور باقی سٹاف کو سختی سے ہدایت دی جائے کہ اگر کوئی جوڑا کسی قسم کی بھی نازیبا حرکات کرتا دکھائی دے تو اسے پارک سے باہر نکال دیں اور اگر مناسب سمجھیں تو اُن کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی بھی کی جائے۔ اس کے علاوہ پارک کے تمام داخلی راستوں میں یہ بورڈ آویزاں کیے جائیں: ''پارک میں خفیہ کیمرے موجود ہیں جو آپ کی ہر قسم کی حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ اگر کوئی کسی بھی قسم کی نازیبا حرکات کرتے نظر آیا تو اسے پولیس کے حوالے کیا جائے گا۔'' اس سے بھی ان شاء اللہ اس بے حیائی کو روکنے میں بہت مدد ملے گی۔

میری والدین اور بھائیوں سے گزارش ہے کہ وہ اپنی بہن بیٹیوں پر نظر رکھیں، اور گاہے بگاہے ان کے موبائل کو چیک کرتے رہیں، اس لیے کہ ڈیٹنگ کا یہ سارا کھیل موبائل کے سر پر ہی کھیلا جاتا ہے۔ گاہے بگاہے والدین کو اپنے بچوں کے تعلیمی اداروں پر ''چھاپہ'' بھی مارنا چاہیے اور وہاں کی حاضری کے بارے میں بھی معلوم کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ ماؤں کو چاہیے کہ وہ بیٹی کی حرکات پر نظر رکھیں کہ اُن کے پاس قیمتی تحائف کہاں سے آرہے ہیں، کالج یا یونیورسٹی جاتے وقت میک اپ کیوں کیا جارہا ہے، اور وہ رات گئے تک کس سے فون پر بات کرتی رہتی ہے؟

لڑکیوں سے گزارش ہے کہ لڑکوں کی دوستی اور عشق کے چکروں میں آکر ڈیٹنگ پہ جانے کا خیال اپنے دل سے نکال دیں اور ملتان کی لڑکی کے مذکورہ واقعہ کو یاد رکھیں۔

آخر میں میری تمام نوجوانوں سے گزارش ہے کہ کسی لڑکی کو ہوس کا نشانہ بنانے سے پہلے یہ سوچ لیں کہ کل کو آپ کی بہن، بیٹی کے ساتھ بھی ایسا ہوسکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قرآن پاک میں واضح طور پر اعلان کردیا گیا ہے کہ پاکیزہ مردوں کے لیے پاکیزہ عورتیں ہیں۔ اگر آپ خدانخواستہ لوگوں کی بیٹیوں بہنوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا رہے ہیں تو یہ یاد رکھیں کہ آپ کی شادی بھی کسی ایسی ہی لڑکی سے ہوگی.....۔



قمری سال کا تعارف اور احکام ومسائل

حافظ شبیر صدیق، ریسرچ فیلو دارالسلام

اسلام نے اہل اسلام کے لیے جو سال متعارف کروایا ہے وہ قمری سال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام عبادات اور خوشیاں قمری ماہ وسال سے منسلک ہیں، اسی لیے اسے اسلامی سال بھی کہتے ہیں۔

بہت ہی قابلِ افسوس بات ہے کہ اگر کسی مسلمان سے اسلامی سال کے مہینوں کے نام اور ان کی ترتیب کے حوالے سے پوچھا جائے تو بہت کم لوگوں کو اس کا علم ہوتا ہے۔ بہت سارے لوگ تو ایسے بھی ہوتے ہیں کہ انھیں موجودہ مہینے کا بھی علم نہیں ہوتا کہ کون سا مہینہ جاری ہے۔ بس چند ایک مہینے ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں معلوم ہوتا ہے، مثلاً: رمضان المبارک، ذوالحجہ، محرم اور ربیع الاول وغیرہ۔

اسلامی مہینوں کی تعداد اور نام

اسلامی مہینوں کی تعداد کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ﴾ ''زمین وآسمان کی تخلیق کے وقت ہی سے اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔'' (التوبۃ 36:9) ان بارہ مہینوں کے نام بالترتیب درج ذیل ہیں: محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادیٰ الاولیٰ، جمادیٰ الثانیۃ، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ۔

اسلامی سال کی ابتدا

اسلامی سال کی ابتدا محرم کے مہینے سے ہوتی ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب سلطنت اسلامیہ وسعت اختیار کر گئی تو عمال اور دیگر غیر مسلم بادشاہوں کو جو خطوط بھیجے جاتے ان پر تاریخ کے تعین کا مسئلہ پیدا ہوا۔ یعنی خط پر یہ تو درج ہوتا تھا کہ فلاں عامل یا فلاں بادشاہ کے نام یہ خط رمضان کی فلاں تاریخ کو بھیجا گیا مگر ایک دو سال یا اس سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے بعد یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ یہ خط گزشتہ رمضان میں بھیجا ہے یا اس سے بھی گزشتہ رمضان میں۔ اس وقت موجود اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے جب یہ مسئلہ پیش کیا گیا تو اتفاق رائے سے یہ طے پایا کہ چونکہ ہجرت ایک اہم واقعہ ہے۔ اس وجہ سے اسی سے قمری تقویم (چاند کے لحاظ سے کیلنڈر) کا آغاز کیا جائے۔

اسلامی مہینوں کی وجہ تسمیہ اور مختصر احکام

ملحوظہ: صرف انھی مہینوں کے احکام ذکر کیے جائیں گے جن کے احکام احادیث سے ثابت



ہیں۔

① محرم: اہل عرب اس مہینے کو کبھی اپنے لیے حلال کر لیتے اور کبھی حرمت والا قرار دے لیتے۔ دین اسلام نے اس مہینے کی حرمت میں تاکید پیدا کرنے کے لیے اس کا نام محرم رکھا۔ اس مہینے میں عاشوراء کا روزہ بڑی فضیلت کا حامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''مجھے اللہ سے امید ہے کہ اس روزے کی وجہ سے گزشتہ ایک سال کے گناہ معاف فرما دے گا۔'' (صحیح مسلم: 1162) ایک اور حدیث میں اس مہینے کے روزوں کو رمضان المبارک کے روزوں کے بعد افضل ترین روزے قرار دیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم: 1163)

② صفر: صفر کے لغوی معنی خالی ہونے کے ہیں۔ اہل عرب محرم کے مہینے کا احترام کرتے ہوئے اس میں قتال وغیرہ سے باز رہتے تھے، البتہ ماہِ صفر کے شروع ہوتے ہی وہ قتال و جدال شروع کر دیتے اور اپنے گھروں کو خالی چھوڑ دیتے تھے، اس لیے اس مہینے کا نام صفر پڑ گیا۔ اس مہینے کے حوالے سے کوئی خاص عمل منقول نہیں ہے، اس لیے جو عبادات مشروع ہیں وہ ہی ادا کی جائیں۔

③ ربیع الاول: اس کی وجۂ تسمیہ یہ ہے کہ عربوں کے ہاں یہ مہینہ موسم بہار کا پہلا مہینہ قرار پایا تھا، اس لیے اسے ربیع الاول کہتے تھے۔ نبی ﷺ کی ولادت باسعادت اور وفات اسی مہینے میں ہوئی تھی۔

④ ربیع الثانی: اسے ''ربیع الآخر'' بھی کہتے ہیں۔ جب مہینوں کا آغاز ہوا تو اہل عرب کے ہاں ربیع الاول اور ربیع الثانی دونوں بہار کے موسم تھے، اس لیے انھیں ربیع کہا جاتا ہے۔

⑤ جُمادیٰ الاولیٰ: جُمادی ''جمود'' سے ہے۔ جمود کا معنی ہے ''جم جانا۔'' جس وقت اس مہینے کا یہ نام پڑا ان دنوں اس مہینے میں برف جما دینے والی سردی پڑا کرتی تھی۔ اس وجہ سے اس کا نام جمادیٰ الاولیٰ پڑا۔ الاولیٰ کا معنی سخت سردی کا پہلا مہینہ۔

⑥ جُمادی الثانیہ: جمادی کی وجہ تسمیہ جمادی الاولیٰ کے تحت ذکر ہو چکی ہے۔ یہ سخت سردی کا دوسرا مہینہ تھا، اس لیے اسے جمادی الثانیہ کہتے تھے۔

⑦ رجب: رجب ترجیب سے ہے۔ ترجیب کے معنی ہیں: تعظیم۔ عرب اس مہینے کی بہت زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ وہ اس مہینے کی حرمت کی وجہ سے ہر قسم کے لڑائی جھگڑے سے گریز کرتے تھے۔ اس کی فضیلت یہی ہے کہ یہ حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے۔

⑧ شعبان: شعبان کا مادہ شعب ہے۔ شعب کے معنی ہیں: جدا جدا ہونا۔ عرب اس مہینے میں پانی کی تلاش میں متفرق طور پر پھیل جاتے تھے، اس لیے اس مہینے کا نام شعبان پڑ گیا۔ رسول اللہ ﷺ اس ماہ میں بکثرت روزے رکھا کرتے تھے۔

⑨ رمضان المبارک: رمضان کا مادہ ''رمض'' ہے۔ رمض کے معنی ہیں: جلانا۔ یہ مہینہ گناہوں کو جلا کر نیست و نابود کر دیتا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ جس دور میں اس مہینے کا نام رکھا گیا اس وقت اس مہینے میں شدت کی گرمی پڑتی تھی۔ اس مہینے میں ایک عظیم عبادت روزہ مشروع ہے۔ اس مہینے کے آخری عشرے میں ''لیلۃ القدر'' بھی ہے جس کی عبادت ایک ہزار مہینے کی عبادت سے بھی افضل ہے۔ قرآن کا نزول بھی اسی مہینے میں ہوا تھا۔

⑩ شوال: اس کا مادہ شول ہے۔ شَوَل کا معنی ہے: بلند کرنا۔ اس کی وجۂ تسمیہ کے حوالے سے منقول ہے کہ عرب میں اس مہینے میں اونٹنی اپنی دُم بلند کرتی ہے، اس لیے اس مہینے کو شوال کہا جاتا ہے۔ اس مہینے کی پہلی تاریخ کو عیدالفطر ہوتی ہے۔ اس مہینے کے چھ روزے مشروع ہیں۔ جو شخص رمضان کے روزوں کے بعد یہ چھ روزے رکھ لے اسے سال بھر کے روزوں کے بقدر اجر و ثواب سے نوازا جاتا ہے۔

⑪ ذوالقعدہ: قعدہ، قعود سے ہے جس کے معنی بیٹھنے کے ہیں۔ عرب اس مہینے میں لڑائی جھگڑے سے باز رہتے تھے۔ جس وجہ سے وہ اپنے گھروں میں بیٹھ رہتے تھے۔ اس لیے اس مہینے کا نام ذوالقعدہ پڑ گیا، یعنی بیٹھنے والا مہینہ۔

⑫ ذوالحجہ: ذوالحجہ کے معنی ہیں: حج والا مہینہ۔ اس مہینے کی 8 تاریخ سے 13 تاریخ تک حج کے ارکان و مناسک ادا کیے جاتے ہیں، اس لیے اسے ذوالحجہ کہا جاتا ہے۔ اس مہینے کے پہلے عشرے کے اعمال اللہ کے نزدیک دوسرے دنوں کی نسبت محبوب ترین اعمال ہیں۔ حج اور قربانی اس مہینے کے عظیم اعمال



میں سے ہیں۔

حرمت والے مہینے

سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ ''ان مہینوں میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔'' (التوبة 36:9) یہ مہینے کون سے ہیں؟ ان کی وضاحت حدیث میں منقول ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''بے شک زمانہ اپنی اسی حالت پر پلٹ آیا ہے جس حالت پر اس دن تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ سال میں بارہ مہینے ہیں، ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔ تین تو مسلسل ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا مہینہ رجب مضر ہے جو جُمادیٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔'' (صحيح البخاري: 3197) ہر قسم کا ظلم کرنا تو عام مہینوں میں بھی ممنوع ہے مگر ان مہینوں میں ظلم کرنے سے خصوصیت کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ.....فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ ''ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں..... تم ان میں اپنے نفسوں پر ظلم نہ کرو۔'' (التوبة 36:9)

حج والے مہینے

اسلامی سال میں سے تین مہینے حج والے ہیں۔ انھیں اشہر الحج کہا جاتا ہے۔ ان میں شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحج ہے۔ ان مہینوں میں مسلمان اسلام کا ایک عظیم رکن ''حج'' ادا کرنے کے لیے بیت اللہ کی طرف سفر کرتے ہیں۔ ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ سے ارکان حج شروع ہوجاتے ہیں۔

سب سے زیادہ فضیلت والے مہینے

اسلامی سال میں دو مہینے ایسے ہیں جو دیگر مہینوں کی نسبت زیادہ فضیلت کے حامل ہیں۔ وہ مہینے رمضان اور ذوالحجہ ہیں۔ رمضان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''تمھارے پاس رمضان (کا مہینہ) آیا ہے۔ یہ برکتوں والا مہینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزے تم پر فرض کیے ہیں۔ اس مہینے میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں۔ سرکش شیطانوں کو اس مہینے میں جکڑ دیا جاتا ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے اس میں ایک رات ہوتی ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ جو اس کی بھلائی سے محروم رہا وہ بڑا ہی بدنصیب ہے۔'' (مسند أحمد: 230/2)

ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان دس دنوں میں کیا ہوا عمل دوسرے دنوں میں کیے ہوئے عمل سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے۔'' (صحيح البخاري: 969)

خوشیوں والے مہینے

ویسے تو اہل اسلام پر خوشی منانے کے حوالے سے کوئی قدغن نہیں ہے۔ وہ جب چاہیں شرعی حدود میں رہ کر کوئی بھی خوشی منا سکتے ہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو دو عظیم خوشیوں سے نوازا ہے۔ وہ دو خوشیاں الگ الگ سال کے دو مہینوں میں آتی ہیں۔ گویا ان دونوں مہینوں کو ''خوشیوں والے مہینے'' کہا جاسکتا ہے۔ یہ دو مہینے شوال اور ذوالحجہ ہیں۔ ان دو خوشیوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: ''اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی دو خوشیوں کے بدلے میں تمھیں ان سے بہتر دو خوشیوں سے نوازا ہے: عید الاضحیٰ اور عید الفطر۔'' (سنن أبي داود: 1134)

سوگ والا مہینہ

اسلامی مہینوں میں سے ایک مہینہ سوگ والا بھی ہے مگر شرعی طور پر نہیں بلکہ عوامی طور پر اور وہ ہے ماہِ محرم۔ شریعت نے کسی مہینے کو سوگ والا قرار نہیں دیا ہے۔ اگرچہ شریعت میں سوگ پر کوئی پابندی نہیں ہے مگر شریعت نے جہاں سوگ کی اجازت دی ہے وہاں کچھ حدود بھی متعین کی ہیں، مثلاً: کسی عزیز کے فوت ہوجانے پر شریعت نے سوگ کی اجازت دی ہے مگر صرف تین دن تک۔ ان تین دنوں میں نہ تو چیخا اور چلایا جائے اور نہ ہی کوئی اور غیر شرعی کام کیا جائے۔ اسی طرح سوگ کی اس مقدار کو تین دنوں سے بڑھایا بھی نہ جائے۔ بیوہ عورت کے لیے شوہر کی وفات کے فوری بعد چار ماہ دس دن سوگ کی اجازت ہے بلکہ بیوہ عورت کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ سوگ منائے، البتہ وہ شرعی حدود میں رہ کر سوگ منائے گی۔ وہ ان دنوں میں نہ ہی چیخے اور



چلائے گی اور نہ ہی اپنا گریبان چاک کرے گی، وہ نہ ہی اپنے بال بکھیرے گی اور نہ ہی ان دنوں میں میک اپ وغیرہ کرے گی۔ مقصود یہ ہے کہ شرعاً سوگ کا جواز ہے مگر شریعت نے کسی دن یا مہینے کو سوگ کے لیے خاص قرار نہیں دیا ہے۔ اس لیے ماہِ محرم کو سوگ والا مہینہ کہنا یا اپنے عمل سے یہ ثابت کرنا ایک غیر شرعی عمل ہے۔

نحوست والے مہینے

''قمری مہینوں میں سے دو مہینے نحوست والے ہیں۔'' جی ہاں! یہ دورِ جاہلیت میں اہل عرب کا عقیدہ تھا۔ اسلامی تعلیمات اس عقیدے سے کوسوں دور ہیں۔ وہ ان مہینوں کو اپنے لیے منحوس تصور کرتے تھے۔ وہ دو مہینے جن کو اہل عرب منحوس سمجھتے تھے صفر اور شوال ہیں۔ وہ ان مہینوں میں شادی سے بھی گریز کرتے اور کوئی نیا کاروبار یا کوئی اور کام بھی شروع نہیں کرتے تھے۔ بدقسمتی سے یہی عقائد و نظریات مسلمانوں میں بھی داخل ہو چکے ہیں جبکہ نبی ﷺ نے دورِ جاہلیت کے اس توہم پرست نظریے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''ماہِ صفر کی نحوست کی کوئی حقیقت نہیں۔''

(صحيح البخاري: 5707)

بدعات وخرافات والے مہینے

یہ تو اٹل حقیقت ہے کہ ہمارے معاشرے میں بدعات وخرافات کی بھرمار ہے۔ البتہ کچھ مہینے تو اس سے محفوظ ہیں اور کچھ مہینے تو بہت ہی زیادہ ان کا شکار ہیں۔ ایسی ایسی بدعات رائج ہو چکی ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ کہاں اسلام کی مصفّا تعلیمات اور کہاں یہ ایجاد بندہ خرافات۔ بہرحال جو مہینے بہت زیادہ ان بدعات وخرافات کا شکار ہیں وہ درج ذیل ہیں: محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، رجب، شعبان، رمضان۔ اگر ہر مہینے سے متعلقہ بدعات وخرافات کو بیان کیا جائے تو ایک طویل مضمون کی ضرورت ہے، اس لیے ہم نے صرف اشارتاً ذکر کیا ہے۔ مزید معلومات کے لیے مفصل کتب کی طرف رجوع کریں۔

نئے چاند کی مبارک باد دینے کا اجر

کسی بھی اسلامی مہینے کا چاند نظر آنے پر اس مہینے کی مبارک باد دینے کا ''میسج کی دنیا'' میں بہت زیادہ اجر ہے۔ اتنا اجر ہے اتنا اجر کہ جنت کا حق دار بنا کر ہی چھوڑتا ہے۔ کسی مہینے کا چاند کیا طلوع ہوتا ہے بس میسج پے میسج موصول ہونا شروع ہو جاتے ہیں کہ جس نے فلاں مہینے کی سب سے پہلے مبارک باد دی اس کے لیے جنت ہے، اس کے اتنے گناہ معاف کر دیے جائیں گے، اس کے نامۂ اعمال میں اتنی نیکیاں جمع کر دی جائیں گی وغیرہ۔ صرف مبارک باد دینے پر انعام واکرام کی بارش ہی کر دی جاتی ہے۔ طرفہ تماشا یہ کہ اس میسج کے آخر میں ایک حدیث بھی لکھ دی جاتی ہے کہ جو اس پیغام کو آگے پھیلائے گا اس کے لیے بھی اتنا اجر۔

حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی تمام باتیں صرف میسج تک محدود ہیں شریعت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ نبی ﷺ کی ایسی کوئی حدیث نہیں ہے کہ جس میں نئے چاند کی مبارک باد دینے کا اجر بیان ہوا ہو۔ اس طرح کے میسج کرنا رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے۔ ایسے میسج فارورڈ کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔

البتہ نئے چاند کے حوالے سے نبی ﷺ نے جو تعلیم دی ہے وہ یہ ہے کہ چاند دیکھ کر دعا پڑھی جائے۔ وہ دعا درج ذیل ہے: «اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهُ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ وَالتَّوفِيقِ لِمَا تُحِبُّ رَبَّنَا وَتَرْضٰى، رَبُّنَا وَرَبُّكَ اللّٰهُ»(سنن الدارمي: 1687)

ایک غلط سوچ اور اس کی تردید

یہ بات واضح ہے کہ کچھ قمری مہینوں کو بہت مقام اور مرتبہ حاصل ہے، البتہ اس حوالے سے یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ یہ مقام ومرتبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو عطا کردہ ہے۔ کسی شخصیت یا کسی واقعے کی بنیاد پر کسی مہینے کو کوئی عظمت یا فضیلت حاصل نہیں ہے۔ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ماہِ محرم کو جو عظمت حاصل ہے وہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے واقعہ شہادت کی وجہ سے ہے جبکہ ایسی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ماہِ محرم کو جو عظمت حاصل ہے وہ پہلے دن ہی سے ہے۔ ویسے بھی یہ واقعہ تو خلفائے راشدین کے دورِ خلافت سے بھی بعد کا ہے تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ماہِ محرم کی عظمت اس واقعے کی وجہ سے ہو۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی فضیلت

مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی رحمہ اللہ

''سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے بے شک ہمیں بڑی محبت اور بے حد عقیدت ہے اور ہونی چاہیے۔ آپ کا بہت اعلیٰ اور ممتاز مقام ہے، سب درست، سب صحیح، جیسا کہ ہم اسی کتاب میں باحوالہ بیان کر چکے ہیں اور یہی ہونا چاہیے مگر ہم محض اس لیے یزید کا جھوٹا خاکہ پیش کریں اور غلط نقشہ کھینچیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت سے انکار کر دیا تھا، اور اس کے عہد میں شہید ہوئے تھے، یہ بھی تو قرینِ انصاف نہیں۔

جہاں تک آپ رضی اللہ عنہ کی عظمت وفضیلت اور درجہ و برتری کا تعلق ہے اس میں کوئی شک ہے نہ شک کی گنجائش۔ ہماری ذاتی رائے بھی بے شک یہی ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ یزید سے بدرجہا بہتر وافضل تھے اور ہیں، حسین رضی اللہ عنہ کے والد یزید کے والد سے اعلیٰ، حسین رضی اللہ عنہ کی والدہ یزید کی والدہ سے بلندتر اور حسین رضی اللہ عنہ کے محترم ومکرم نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم یزید کے نانا سے بہر پہلو اشرف و اعلیٰ اور ساری مخلوقات کے سردار تھے۔ یزید تو رہا ایک طرف، کائنات میں کسی کے نانا کو حسین رضی اللہ عنہ کے گرامی منزلت نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نسبت ہی نہیں، لیکن یزید اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باپ بیٹے دونوں ایسے بھی نہیں تھے جیسا انھیں بتایا اور باور کرایا جاتا ہے۔''

(اقتباس از سیرت حسین رضی اللہ عنہ)



ابوعبداللہ

دارُالسّلام

انعامی کوئز پروگرام

Sh.Siddiq7@Gmail.com

ماہ اکتوبر کے درست جوابات

① نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حج اور چار عمرے کیے تھے۔

② سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہادت کے وقت قرآن کی تلاوت فرما رہے تھے۔

③ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے جنازہ پڑھانے کی وصیت کی تھی۔

④ قربانی کا جانور درج ذیل عیوب سے پاک ہونا چاہیے: کانا نہ ہو، لنگڑا نہ ہو، بیمار اور لاغر نہ ہو وغیرہ۔

بذریعہ قرعہ اندازی 6 ماہ کے لیے فری رسالہ پانے والوں کے نام

محمد اسلم (راجن پور) امیر حمزہ (فیصل آباد) محمد بن مختار (کراچی) آمنہ عابد (گوجرانوالہ) حافظ عبدالغفار (ملتان) شہیر نیاز (موبلنوال) عمران بن ابراہیم (نوشہرو فیروز)

عبارتیں ڈھونڈیں انعام پائیں

① ان کے دل نبی علیہ السلام کے خاندان کے بغض سے بھرے ہوئے تھے۔

② کالج یا یونیورسٹی جاتے وقت میک اپ کیوں کیا جا رہا ہے۔

③ جو نگاہیں حرام چیزیں دیکھنے سے رک جائیں ان کو اللہ کا دیدار نصیب ہوگا۔

④ مرد بننے کی شوقین خواتین کا فتنہ روز بروز زور پکڑتا جا رہا ہے۔

بچوں کے لیے انعامی کوئز

① نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے چچا تھے؟ نام لکھیں۔

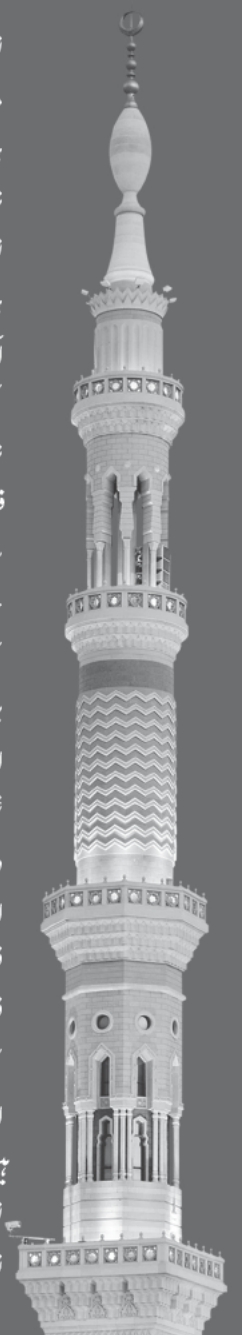
② قرآن میں ''سود'' کے بارے میں کیا وعید ہے؟؟

③ کس مہینے کو ''اللہ کا مہینہ'' کہا جاتا ہے؟

④ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو کس نے اور کس حالت میں شہید کیا؟

نوجوانوں کی تربیت کا نبوی اسلوب

عبدالمالک مجاہد



نوجوان کسی بھی معاشرے کا اہم حصہ ہوتے ہیں۔ قوموں کی ترقی و زوال کا انحصار نوجوانوں کی کارکردگی پر ہوتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے نوجوانوں کی تعلیم وتربیت میں نہایت رہنما اصول مقرر فرمائے۔ آپ ﷺ کی سیرت کا نہایت خوبصورت پہلو یہ بھی تھا کہ آپ نے نوجوانوں کو بڑی اہمیت دی۔ ان کو اپنے قریب کیا۔ ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمایا۔ حتی الامکان ان کی ضروریات کو پورا فرمایا، ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

آیئے ہم سیرت کے اوراق پلٹتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کا نوجوانوں کے ساتھ کیسا تعامل تھا۔ اور آپ نے کس طرح ان کی عملی تربیت فرمائی۔

حجۃ الوداع کا موقع اور منیٰ کا میدان ہے۔ آپ ﷺ دسویں ذوالحجہ کو اپنی اونٹنی پر سوار ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے چچا زاد بھائی سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے اونٹنی پر سوار کیا ہوا ہے۔ ہاشمی خاندان کے لوگ عموماً بڑے خوبصورت ہوتے ہیں۔ اس واقعہ کے راوی فضل کے بھائی سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ فضل نہایت خوبصورت نوجوان تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ اونٹنی پر بیٹھے لوگوں کے سوالوں کے جواب دے رہے ہیں، انھیں حج کے مسائل پر فتاویٰ دے رہے ہیں۔ اتنے میں بنوخثعم کی ایک نوجوان لڑکی آتی ہے اور آپ سے ایک سوال کا جواب پوچھتی ہے۔ یہ لڑکی بہت زیادہ خوبصورت تھی۔ میرے بھائی فضل نے اس لڑکی کی طرف دیکھنا شروع کردیا۔ ادھر اس لڑکی نے بھی فضل کو دیکھنا شروع کردیا۔

قارئین کرام! یہاں ذرا رک جائیں اور غور کریں کہ حج کے ایام، منیٰ کا میدان اور اس مقدس مقام پر اس طرح کا منکر؟ مگر ذرا دیکھیے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے تربیت کا کتنا خوبصورت طریقہ اختیار فرمایا ہے؟ ایک بات ذہن میں ضرور رکھیے کہ صحابہ کرام بشر تھے۔ بشری تقاضے اپنی جگہ موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فضل کو ڈانٹنے کی بجائے اپنا مقدس ہاتھ ان کے چہرے پر رکھا اور اسے دوسری طرف موڑ دیا کہ وہ اس لڑکی کی طرف دیکھ نہ سکیں۔

قارئین کرام! ذرا دیکھیے اللہ کے رسول ﷺ کا کتنا عمدہ اخلاق تھا کہ آپ نے اس موقع پر کوئی وعظ کوئی لمبی چوڑی نصیحت نہیں کی۔ آپ ﷺ نوجوانوں کے جذبات کو خوب سمجھتے تھے۔ مرد اور خصوصاً نوجوان کی فطرت کا تقاضا ہے کہ کوئی خوبصورت لڑکی اس کے سامنے آتی ہے تو وہ اسے دیکھنے لگے گا۔ اسلام نے اسی لیے تو غض بصر کا حکم دیا ہے۔

اب ذرا پھر اسی میدان منیٰ میں چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ لڑکی آپ سے کیا فتویٰ پوچھ رہی ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ! میرا والد بوڑھا آدمی ہے۔ وہ سفر کی مشقت برداشت نہیں کرسکتا۔ اگر میں اپنے والد کی طرف سے حج کروں تو کیا اس کا فریضہ پورا ہوجائے گا۔ رسول اللہ ﷺ سوال کے جواب میں فرمارہے ہیں کہ ''ہاں۔'' مراد یہ ہے کہ تم اپنے والد کی جگہ حج بدل کرسکتی ہو۔ (صحيح البخاري: 6228)

اللہ کے رسول ﷺ کا اسوہ ہمارے سامنے ہے آپ نے ایک منکر کو وعظ و نصیحت کے ذریعے نہیں بلکہ عملی قدم اٹھا کر اسے ختم کردیا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے نوجوانوں کو کس طرح اپنے قریب کیا۔ اس کی ایک مثال ابومحذورہ



والے واقعہ سے ملتی ہے۔

ابومحذورہ کا اصلی نام اوس بن مِعْیَر تھا۔ یہ اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر مکہ کے اطراف میں بکریاں چرایا کرتے تھے۔ مکہ فتح ہو چکا تھا۔ مگر ابومحذورہ نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اس وقت ان کی عمر کوئی پندرہ سال کی ہوگی۔ آپ ﷺ فتح مکہ کے بعد حنین تشریف لے گئے۔ وہاں سے آپ غزوۂ طائف کے لیے تشریف لے جاتے ہیں۔ واپسی پر وادی حنین کے قریب جعرانہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ یہ ذہن میں رہے کہ جعرانہ کا مقام مکہ مکرمہ سے زیادہ دور نہیں۔ بلکہ اب تو وہ مکہ مکرمہ میں شامل ہو چکا ہے۔

ابومحذورہ پہاڑی کے دوسری طرف اپنے ساتھیوں کے ساتھ بکریاں چرا رہا تھا۔ ''غالباً'' ظہر کی اذان کا وقت ہوا تو سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ نے اذان دینا شروع کی۔ سیدنا بلال کی خوبصورت آواز ابومحذورہ کے کانوں سے ٹکراتی ہے۔ وہ ان دل نشین کلمات کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ابومحذورہ اور اس کے ساتھی خوش مزاج تھے۔ ابومحذورہ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی نقل اتارنا شروع کردی ہے۔ ادھر یہ نوجوان مذاق ہی مذاق میں اذان دینا شروع کر دیتا ہے۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: «اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ» تو ابومحذورہ نے بھی کہا: «اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ» سیدنا بلال مسلمانوں کے کیمپ میں اور ابومحذورہ اپنی بکریوں میں کھڑا ان کلمات کو اس انداز میں دہرا رہا ہے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: «أَشْهَدُ أَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه» ابومحذورہ نے بھی کہا: «أَشْهَدُ أَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه» بلال کہہ رہے ہیں: «أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰه» ابومحذورہ بھی کہہ رہا ہے: «أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰه» اس کی آواز بڑی خوبصورت اور صاف تھی۔ خوش قسمتی اس کی راہ تک رہی تھی۔

قارئین کرام! اللہ کے رسول ﷺ مسلمانوں کے کیمپ میں ابومحذورہ کی آواز سن رہے ہیں۔ آپ ﷺ کو اس کی آواز بڑی بھلی اور خوبصورت لگتی ہے۔ آپ ﷺ نے سیدنا علی بن ابی طالب اور سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ جاؤ اور اس اذان دینے والے نوجوان کو بلا کر لاؤ۔

وہ دونوں فوراً پہاڑی کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ ان سے پوچھا کہ ابھی اذان کون دے رہا تھا؟ وہ شرما گئے، جواب نہ دیا تو انھوں نے ان تمام چرواہوں کو گھیر کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔

آپ ﷺ نے ان لڑکوں سے پوچھا کہ ابھی ابھی تم میں سے کس نوجوان نے اذان کے کلمات دہرائے تھے؟ لڑکے ڈر، خوف، خجالت اور حیا کے مارے خاموش ہیں۔

قارئین کرام! اب ذرا آپ ﷺ کا نوجوانوں کے ساتھ سلوک دیکھیے کہ آپ نے ان سے ناراض ہونے یا ڈانٹنے کی بجائے ان میں سے ایک سے کہا کہ تم اذان سناؤ۔ اس نے اذان دینا شروع کی مگر اس کی آواز اچھی نہ تھی۔

آپ ﷺ نے دوسرے نوجوان سے کہا کہ اچھا! اب تم اذان سناؤ۔ مگر اس کی آواز بھی اس طرح نہ تھی جس کی سماعت آپ ﷺ نے فرمائی تھی۔

اب آپ ﷺ نے تیسرے لڑکے سے فرمایا کہ اچھا اب تم اذان سناؤ۔ اس نوجوان نے اذان دینا شروع کی تو اس کی آواز بڑی پیاری، واضح اور خوبصورت تھی۔ نوجوان کا نام اوس اور کنیت ابومحذورہ تھی۔ اسی نے ہی سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی نقل اتاری تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے استفسار فرمایا کہ ابھی ابھی تمھی نے اذان دی تھی؟ ابومحذورہ نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا کہ جی ہاں، وہ میں ہی تھا۔ (مسند أحمد: 409/3، سنن الکبریٰ للبیهقی: 393/1)

ابومحذورہ کے دوسرے ساتھیوں کو اشارہ ہوا تو وہ فوراً بھاگ گئے مگر ابومحذورہ کو حکم ہوا کہ تم یہیں بیٹھے رہو۔ ابومحذورہ ابھی تک کافر تھا۔ اب اسے یہ ڈر اور خوف ہوا کہ کہیں میرے قتل کا حکم نہ جاری ہو جائے کیونکہ میں نے بلال کی نقل اتاری ہے۔

ابومحذورہ دیکھتا ہے کہ کائنات کی سب سے مشفق اور تربیت کرنے والی ہستی اپنے مبارک ہاتھ کو اس کی طرف بڑھاتی ہے۔ ابومحذورہ نے سر پر عمامہ باندھ رکھا تھا۔ آپ ﷺ نے عمامہ کو اس کے سر سے اتارا اور اس کے سر پر اپنا مبارک اور مشفق ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا: «اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِ وَاهْدِهِ إِلَى الْإِسْلَام» ''اے اللہ! اسے برکت عطا فرما اور اسے اسلام کی ہدایت عطا فرما۔'' (موسوعة الدفاع عن الرسول ﷺ: 193/2)

راوی بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک بار پھر ابومحذورہ کے لیے یہی دعا فرما رہے ہیں کہ اللہ! اسے برکت



اور اسلام کی ہدایت عطا فرما۔

ذرا دیکھیے! اللہ کے رسول ﷺ نے اس نوجوان کا دل کس طرح جیتا کہ اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیر کر اسے دعائیں دی ہیں، اور پھر اس نوجوان پر آپ کے اعلیٰ اخلاق کا آپ ﷺ کے حسن تعامل کا فوری اثر ہوتا ہے کہ وہ اسی وقت پکار اٹھتا ہے کہ «أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰه»

قارئین کرام! یہ تھا تزکیہ نفس، یہ تھا آپ کی محبت اور پیار کا فوری نتیجہ کہ ابومحذورہ چند ہی منٹوں میں کفروشرک کے اندھیروں سے نکل کر اسلام کے نورانی راستے کا راہی بن جاتا ہے۔ کہاں اس کو یہ خوف اور ڈر کہ کہیں اسے قتل نہ کردیا جائے یا اسے مارا پیٹا نہ جائے کہ اس نے اذان کا مذاق اڑایا تھا۔

قارئین کرام! ہم ذرا آگے بڑھتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے دیکھا کہ ابومحذورہ کی آواز بڑی خوبصورت ہے، اس نے اذان بڑی پیاری دی تھی۔ مکہ مکرمہ فتح ہوچکا تھا۔ حرم مکی میں ایک اونچی اور خوبصورت آواز میں اذان دینے والے کی ضرورت تھی۔ آپ ﷺ نے اس نوجوان کی صلاحیتوں سے اندازہ لگالیا تھا کہ ابومحذورہ اس ذمہ داری کو بڑی خوبی سے ادا کرسکتا ہے تو آپ ﷺ بطور موذن ابومحذورہ کا انتخاب کرلیتے ہیں۔

ابومحذورہ کو اشارہ فرماتے ہیں: «إِذْهَبْ مُؤَذِّناً فِي أَهْلِ مَكَّةَ، أَنْتَ مُؤَذِّنُ أَهْلِ مَكَّةَ» ''جاؤ تم اہل مکہ کے موذن ہو، تمھیں مکہ والوں کے لیے موذن مقرر کیا جاتا ہے۔'' مکہ مکرمہ کے گورنر سیدنا عتاب بن اسید تھے، انھیں ابومحذورہ کے بطور موذن تقرر کے احکامات فوری بھجوادیے جاتے ہیں۔ (سیر أعلام النبلآء: 113/5، وشرح بلوغ المرام لدکتور عطیه، رقم الدرس: 43)

قارئین کرام! کہاں ایک معمولی چرواہا اور کہاں کعبۃ اللہ میں موذن کا منصب جلیل۔ یہ بلند رتبہ جسے مل جائے اس کی خوش قسمتی کے کیا کہنے؟ اور پھر ابومحذورہ کی قسمت کے کیا کہنے کہ پانچوں وقت اللہ کے گھر میں بلانے کا منصب جلیل۔ یہ سعادت، یہ عزت، یہ شرف صرف ابومحذورہ تک نہیں چلتا بلکہ نسل درنسل ان کے خاندان کے لوگ اس منصب پر فائز رہتے ہیں، سیرت نگاروں کے مطابق ان کی اولاد تین سوسال تک حرم مکی میں موذن رہی۔

قارئین کرام! ویسے تو اللہ کے رسول ﷺ کی نوجوانوں کے ساتھ محبت اور حسن سلوک کے واقعات سے سیرت کی کتابیں بھری ہوئی ہیں مگر اس واقعہ کو پڑھنے کے بعد آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ آپ نوجوانوں کو کس طرح قریب کرتے تھے۔

یہ ایک غیر شادی شدہ نوجوان تھا۔ جو مسجد نبوی میں داخل ہوا ہے۔ یہ اللہ کے رسول ﷺ سے ملنا چاہتا ہے۔ آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہے۔ آپ سے ایک نہایت غلط کام کی اجازت لینا چاہتا ہے۔ کوئی ایسا ویسا سوال! اس جیسا سوال کوئی اپنے باپ، بھائی یا اپنے دوست سے بھی کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ بلکہ آج تک اس قسم کا سوال شاید ہی کسی نے اپنے مربی یا قائد سے کیا ہو۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی طرف التفات فرمایا، اس نوجوان کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھا تو وہ گویا ہوا: «يَارَسُولَ اللّٰه! ائْذَنْ لِيْ بِالزِّنَا» ''اللہ کے رسول ﷺ! مجھے زنا کرنے کی اجازت دیجیے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنا تو حیران رہ گئے، سوال پر بڑے متعجب ہیں؟ ایسا سوال تو کسی عام شخص سے بھی نہیں کیا جاسکتا اور یہ تو اللہ کے رسول ہیں۔ کائنات کے امام ہیں۔ اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہ یک آواز اسے کہہ رہے ہیں:

مَهْ مَهْ ''ارے! رک جاؤ'' ''ارے! رک جاؤ۔'' یہ کس قسم کا سوال کررہے ہو؟ کس شخصیت سے سوال کررہے ہو؟ وہ شخصیت جو کائنات کے باسیوں کا تزکیہ نفس کرنے کے لیے تشریف لائی ہے۔ اس قبیح حرکت کو تو کوئی بھی معاشرہ قبول نہیں کرتا۔ اور اسلام نے تو اسے اس سختی سے مسترد کردیا ہے کہ اگر کوئی شادی شدہ ہے تو اس کی سزا اتنی شدید ہے کہ اس کا تصور بھی مشکل ہے کہ اسے پتھروں سے مار مار کر ختم کردیا جائے۔

قارئین کرام! اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر سوچیے، غور کیجیے کہ آج کے دور میں اس قسم کا سوال کسی بڑے سے کیا جاسکتا ہے؟ اگر کوئی ایسا سوال کر بیٹھے تو ممکن ہے اسے مارا پیٹا جائے۔ اسے بُرا بھلا کہا جائے۔ اسے اپنی مجلس سے نکال دیا جائے۔ مگر یہاں رحمۃ للعالمین ہیں اپنی امت کے سب سے بڑے خیرخواہ۔ جو نوجوانوں سے شدید محبت کرتے ہیں۔ ان کے امور کو شفقت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ اس نوجوان کو محبت بھری



نگاہوں سے مسکراتے ہوئے دیکھتے رہے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ اسے چھوڑ دو، اسے پوچھنے دو، سوال کرنے دو۔ اور پھر نوجوان سے فرمایا: «اُدْنُهْ» ''قریب ہوجاؤ'' وہ نوجوان آپ ﷺ کے قریب ہوتا گیا حتی کہ آپ کے سامنے دوزانو ہوکر بیٹھ جاتا ہے۔

قارئین کرام! ذرا تصور کیجیے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے ایک نوجوان بیٹھا ہوا ہے جس نے بڑا بے ہودہ قسم کا سوال کیا ہے۔ آپ کی تربیت کا انداز کہ نہ تو اسے ڈانٹا نہ ہی طعنہ دیا نہ ہی یہ فرمایا کہ ارے پاگل! بھلا کوئی اس قسم کا بھی سوال کرتا ہے؟ بلکہ ایک مشفق باپ اور مربی کی طرح اسے بڑے عمدہ انداز میں پوچھتے ہیں: «أَتُحِبُّهُ لِأُمِّكَ؟» ''کیا تم پسند کرتے ہو کہ ایسی حرکت کوئی شخص تمھاری ماں سے کرے؟''

نوجوان جواب میں عرض کرتا ہے: «لَا، وَاللّٰهِ جَعَلَنِي اللّٰهُ فِدَاكَ» ''میں آپ پر قربان ہوجاؤں میں ہرگز اپنی ماں کے لیے ایسی حرکت پسند نہیں کروں گا۔''

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «فَكَذَالِكَ النَّاسُ لَا يُحِبُّوْنَهُ لِأُمَّهَاتِهِمْ» ''اسی طرح لوگ اپنی ماؤں کے ساتھ ایسی حرکت پسند نہیں کرتے۔''

اب ذرا تربیت کا انداز ملاحظہ کیجیے کہ آپ ﷺ اس نوجوان سے پوچھ رہے ہیں: «أَفَتُحِبُّهُ لِابْنَتِكَ؟» ''کیا تم پسند کرتے ہو کہ کوئی شخص یہی حرکت تمھاری بیٹی کے ساتھ کرے؟''

نوجوان جواب میں عرض کررہا ہے کہ میں آپ پر قربان جاؤں میں ہرگز اپنی بیٹی کے ساتھ ایسی حرکت پسند نہیں کروں گا۔

آپ ﷺ فرمارہے ہیں کہ کوئی بھی شخص اپنی بیٹی کے ساتھ ایسا عمل پسند نہیں کرتا۔ اب اللہ کے رسول ﷺ اسے پوچھ رہے ہیں کہ بتاؤ اگر یہی حرکت کوئی تمھاری بہن کے ساتھ کرے تو تمھیں کیسا لگے گا؟ نوجوان کہہ رہا ہے میں آپ پر فدا ہوجاؤں میں قطعاً پسند نہیں کروں گا۔ ارشاد فرمایا کہ لوگ بھی اسے اپنی بہنوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔

قارئین کرام! یہ تھا اللہ کے رسول ﷺ کا نوجوانوں کے ساتھ تعامل، کہ آپ ﷺ کس حکمت، کس پیار اور محبت کے ساتھ ایک ایک رشتے کا نام لے کر اس نوجوان سے سوال کررہے ہیں۔ اگلا سوال پھوپھی کے بارے میں تھا۔ پھر خالہ کا نام لے کر پوچھا تو اس نے کہا کہ میں اپنی پھوپھی اور خالہ کے ساتھ ایسی حرکت کو برداشت نہیں کروں گا۔

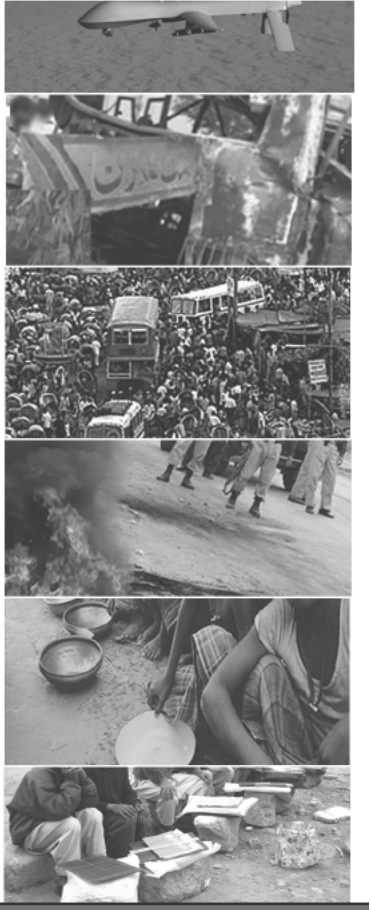
آپ ﷺ نے ساری بات کا خلاصہ بیان فرمادیا، ارشاد ہوا: «اِكْرَهْ مَاكَرِهَ اللّٰه» ''اسے ناپسند کرو جسے اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔''

اب دیکھیے کہ اللہ کے رسول ﷺ اس نوجوان کو کیا اعزاز بخشتے ہیں۔ آپ ﷺ اس نوجوان کے سینے پر اپنا دست شفقت رکھتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں دعا فرمارہے ہیں: «اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ وَطَهِّرْ قَلْبَهُ، وَحَصِّنْ فَرْجَهُ» ''اللہ! اس کے گناہوں کو معاف کردے، اس کے دل کو صاف کردے اور اس کی شرم گاہ کی حفاظت فرما۔'' (مسند أحمد: 257/5)

قارئین! اس واقعہ کے بعد اس نوجوان کی تو زندگی ہی بدل جاتی ہے۔ آپ ﷺ کے مقدس ہاتھ کی ٹھنڈک سے جو سکون اور چین ملا وہ پوری زندگی اس نوجوان کو نہیں بھولا۔ آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے تمام شیطانی وساوس ختم ہوگئے۔ اس کا ذہن صاف ہوگیا۔ اس کی نگاہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ادھر ادھر دیکھنے کی بجائے زمین کی طرف گڑی رہتی تھیں۔

اس لیے کہ جو نگاہیں حرام چیزیں دیکھنے سے رک جائیں ان کو اللہ کا دیدار نصیب ہوگا۔ اللہ کے رسول ﷺ کی یہ نوجوانوں کے ساتھ محبت اور سلوک تھا کہ آپ ﷺ نے اس سے نہایت حکمت سے ایسے سوالات کیے جن سے اس کے دل و دماغ میں جو شیطانی خیالات تھے دور ہوگئے۔ وہ ہر سوال کے جواب میں انکار کرتا ہے کہ میں ایسا برداشت نہیں کرسکتا۔ آخری بات یہ عرض کروں گا کہ ممکن ہے کوئی اور قائد ہوتا تو وہ اس سوال کے جواب میں صرف یہ کہہ دیتا کہ جاؤ میاں جاؤ تمھارے لیے ایسے کام کے لیے کوئی رخصت نہیں۔ لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے ایسے نفسیاتی سوالات کیے جن کا جواب سوائے ''نہ'' کے کچھ نہ تھا۔ اسی لیے فرمایا کہ کوئی شخص بھی نہیں چاہتا کہ اس کی محرمات کے ساتھ کوئی ایسی حرکت کرے، لہٰذا تم یہ شیطانی خیال ذہن سے نکال دو۔ یوں چند حکیمانہ جملوں سے آپ ﷺ نے اس نوجوان کی زندگی کی کایا پلٹ دی۔

یقیناً سیرت کے ان اوراق میں ہمارے لیے بہت اسباق ہیں۔ ہمارے علمائے کرام، دعاۃ اور واعظین کو ان سے خوب فائدہ اٹھانا چاہیے۔



ہمارے ملی اور ملکی مسائل

چند گزارشات



حافظ عبدالسمیع
ریسرچ فیلو دارالسلام

اگر دردِ دل اور گہرائی سے ملک و عوام کا جائزہ لیا جائے تو عموماً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ:

ہر شخص الجھنوں اور ذہنی اذیتوں کا شکار ہے۔ آنکھیں ہنستے مسکراتے چہرے کی دید کو ترستی ہیں۔ اگر بمشکل کہیں کوئی ہنستا مسکراتا چہرہ نظر آ بھی جاتا ہے تو اس کے مسکراتے لبوں کے پیچھے یا تو غموں کی طویل داستان ہوتی ہے یا کوئی بہت بڑا مفاد!

ہر کوئی اپنے ہی دکھڑوں کو روتا ہے۔ والدین اولاد سے اور اولاد والدین سے خفا نظر آتی ہے۔ بہن، بھائیوں میں رنجشیں ہیں۔ عزیز و اقارب باہم دست و گریباں ہیں۔ دلوں میں کدورتیں جنم لے رہی ہیں۔ خلوص، پیار، محبت اور بھائی چارہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔ گویا مجموعی لحاظ سے سب کو معاشرے سے شکوہ ہے لیکن اپنے آپ کو بدلنے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں۔ مہنگائی و بیروزگاری عروج پر ہے۔ غریب بے چارے تو غریب ہی تھے اب تو سرمایہ دار بھی چیخنے لگے ہیں۔ مہنگائی کا جن کسی کے قابو میں نہیں آ رہا کیونکہ کسی حکمران کو اس طرف توجہ کرنے کی نہ فرصت ہے اور نہ یہ کوئی ایسا قومی ایشو ہے جسے صوبائی اور قومی اسمبلی میں اٹھایا جا سکے!

اس لیے کہ اب حکمران حکومت کے نشے میں مست ہیں، انھیں گردونواح کی کچھ خبر نہیں۔ اب تو بس خوشامدی پٹھو ان کے آگے پیچھے دکھائی دیتے ہیں۔ جب وہ ہوش میں آئیں گے تو ممکن ہے کہ انھیں عوامی مسائل اور ضروریات کا صحیح اندازہ ہو سکے اور یہ اس قومی اور نہایت سنگین مسئلے کے متعلق سوچنا شروع کر دیں۔

تب عوامی مسائل کے متعلق سوچتے وقت یہ حزبِ اقتدار سے رخصت ہو کر حزبِ اختلاف میں پہنچ چکے ہوں گے۔ بس پھر دیکھنا کہ یہ ہر وقت نہ صرف عوام کے مسائل بلکہ آنے والے خطرات میں بھی ان کی ترجمانی کرتے نظر آئیں گے۔ لیکن ایک بار پھر جب ان کی باری آئے گی تو حکومت کے نشے میں ایسے مست ہو جائیں گے کہ انھیں اپنے بھاری مینڈیٹ کا خیال بھی نہیں رہے گا۔

دوسری طرف وطنِ عزیز خانہ جنگی کا شکار ہے جسے ہم نے لاکھوں قربانیوں سے اس امید



اور آرزو پر حاصل کیا تھا کہ یہاں کے باشندے اسلامی تعلیمات پر آسانی کے ساتھ عمل پیرا ہوسکیں گے، یہاں امن و امان قائم ہوگا اور یہ دنیا میں نظیر جنت بنے گا۔ آج اس کا زخمی جگر، سونا اگلتی زمین، کوہستانوں کے خزینے، دریا اور نہریں، جنگلات اور باغات، سرسبز و شاداب وادیاں اور فلک بوس چوٹیاں ہر کسی سے کہہ رہی ہیں کہ ذرا اپنی اداؤں پر غور کرو!

کیا تم نے وطن عزیز اسی لیے حاصل کیا تھا کہ میرے سینے پر چلتے پھرتے اپنے سینوں کو نفرتوں اور کدورتوں سے بھرلو؟ اپنے ہی بھائیوں کے خون سے میری مٹی کو رنگین کردو؟ آخر اپنے مفادات کی خاطر ایک دوسرے کا خون کب تک نچوڑتے رہو گے؟

سنو! اللہ کے لیے متحد ہو جاؤ۔ اپنے وطن عزیز کی حفاظت کرو، اسے اخوت اور بھائی چارے کا مرکز بناؤ۔ جس نعرے پر اسے حاصل کیا تھا، آج اسے عملی جامہ پہناؤ۔ مل جل کر یہود و نصاریٰ اور ہنود کی سب تدبیروں کو ناکام بنا دو۔ اس صدا کے جواب میں ہمارے جسم پر جوں بھی نہیں رینگتی، آخر ایسا کیوں ہے؟

بے وجہ تو نہیں ہیں چمن کی تباہیاں
کچھ باغباں ہیں برق و شرر سے ملے ہوئے

محترم قارئین! ان حساس اور سنگین مسائل کے متعلق چند گزارشات پیش خدمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

① تعمیری سوچ پیدا کرنا

ہمیں قومی سطح پر اپنے اندر تعمیری سوچ پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ ہماری سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی سطح پر اکثر و بیشتر منفی سوچ کے مالک ہیں۔ ہر چیز کے منفی پہلو کو سامنے رکھتے ہیں اور اس کی خوبیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جس کی بدولت ہمیں نقصان زیادہ اور فائدہ کم حاصل ہوتا ہے۔

حالات کا رخ بدلنے کے لیے ضروری ہے کہ ہر شخص اپنے اندر تعمیری سوچ پیدا کرے۔ اس کی جو بھی حیثیت ہے، خواہ وہ صدارت کے عہدے پر فائز ہے یا وزراتِ عظمیٰ کی کرسی پر براجمان ہے یا عدالت عالیہ کا قلم دان اس کے ہاتھ میں ہے یا ایک عام سبزی فروش، محنت مزدوری کرنے والا ہے، اسے اپنے اللہ سے ہمیشہ خیر کی امید رکھنی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے متعلق گمان رکھتا ہے۔'' (صحیح البخاري:7505)

اگر ہم اپنے اندر تعمیری سوچ پیدا کر لیتے ہیں تو کامیابی کی طرف یہ ہمارا پہلا قدم ہوگا۔ ان شاء اللہ

② احساس ذمہ داری

قومی سطح پر ہمیں اپنے اندر احساس ذمہ داری پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ عمومی طور پر آج ہم احساس ذمہ داری سے محروم ہیں۔ ہم دوسروں سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہمارا کام کر دیں اور دوسرے ہم سے توقع رکھتے ہیں کہ ہم ان کا کام کر دیں۔ اس کش مکش میں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کوئی کام بھی سرے نہیں چڑھتا۔ ہم میں سے ہر شخص کو عملی کارکن ہونا چاہیے جبکہ آج ہم سب افسر شاہی کے عادی بنتے جا رہے ہیں۔ ہماری معاشی بدحالی، مہنگائی اور بیروزگاری کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم کام کرنے کے عادی نہیں رہے۔ ہمارے افسرانِ بالا غفلت و سستی کا شکار ہیں، انھیں صرف اپنے بھاری بھر کم مشاہرے، مراعات اور پروٹوکول سے غرض ہوتی ہے۔

محترم قارئین! آج عوام انصاف کے لیے در بدر پھر رہے ہیں لیکن انھیں انصاف نہیں مل رہا۔

اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ افسرانِ بالا اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے پاس فرصت ہی نہیں ہوتی کہ وہ ان کی مدد کر سکیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اکثر اوقات افسران بالا کام کرنا چاہتے ہیں لیکن ان بے چاروں میں فرائضِ منصبی کی ادائیگی کے لیے بنیادی صلاحیت و استعداد ہی نہیں ہوتی، اس لیے کہ وہ کسی کے اثر و رسوخ اور سفارشوں کے زیر بار ہوتے ہیں۔

میرے خیال میں ایسے افسران کو فرائضِ منصبی کی ادائیگی کے لیے اپنے اندر صلاحیت پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ اگر



ممکن نہ ہو تو پھر انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے افسران رضاکارانہ طور پر اپنے منصب سے دست بردار ہو جائیں۔ یہ ان کا قوم وملت اور وطن عزیز پر عظیم احسان ہوگا۔

اگر ہر شخص اپنے فرائض منصبی کو پوری ذمہ داری کے ساتھ ادا کرنا شروع کر دے تو ہمارے ملکی حالات بہت بہتر ہو سکتے ہیں۔ لیکن جب تک فرض کی ادائیگی میں کوتاہی پر ذاتی احتساب کا شعور پیدا نہیں ہوتا، صوبائی اور مرکزی سطح پر کڑے احتساب کا نظام وضع کرنا ضروری ہے۔

③ توقعات صرف اللہ سے وابستہ رکھنا

ہمیں اپنے اللہ سے توقعات وابستہ رکھنی چاہییں۔ ہم مجموعی طور پر غیروں سے توقعات وابستہ کر لیتے ہیں اور ان سے امید بھی رکھتے ہیں کہ وہ ہماری توقعات پر پورا اتریں، یہ ہماری بہت سنگین غلطی ہے۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر غیروں سے امیدیں وابستہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو جاتا ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ بعض دفعہ عوام، حکمرانوں سے اور حکمران عوام سے ایسی توقعات وابستہ کر لیتے ہیں، جنھیں پورا کرنا ان کے بس میں نہیں ہوتا، مثلاً: حکمرانوں کی طرف سے انتخابی مہم کے دوران میں کیے جانے والے وعدوں کے پورا ہونے کا انتظار کرنا، اسی طرح عوام کا جلسہ کرنے والے امیدوار سے اظہار یکجہتی کرنا اور امیدوار کا ان سے پر امید ہونا۔ یہ دونوں چیزیں بے سر و پا اور محض جذباتی ہوتی ہیں۔

یاد رکھیے! ہمیں اپنی خوشحالی اور روشن مستقبل کے لیے خوابوں کے جہان سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں آنا پڑے گا۔ اپنے زورِ بازو سے مخالف ہواؤں کا مقابلہ کرنا ہوگا اور اپنے اہداف کے حصول کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتوں اور توانائیوں کو استعمال کرنا ہوگا۔

صرف اللہ تعالیٰ ہے جو ہمیں قدم قدم پر سنبھالتا ہے، جس کی ہم پر نوازشیں اور رحمتیں ہماری اوقات سے کہیں بڑھ کر ہیں، جو ہر مشکل گھڑی میں ہماری مدد کرتا ہے، جس کے در پر آنے والا سائل خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ اس سے امیدیں وابستہ کر لینے والا کبھی محروم نہیں ہوتا۔ وہ اپنے بندوں کے ساتھ ان کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہے۔ ہمیں صرف اللہ تعالیٰ سے اپنی امیدیں وابستہ کرنی چاہییں۔ اس طرح ہمارے تمام مسائل حل ہو جائیں گے اور ہمیں کسی سے شکوہ و شکایت بھی نہیں رہے گا۔ ان شاء اللہ

④ عفو و درگزر کرنا

اقوامِ عالم میں قائدانہ مقام حاصل کرنے کے لیے آپس کے معاملات میں صبر و تحمل سے کام لینا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ اسلام جب دنیا کے افق پر جگمگا رہا تھا، اس وقت مسلمان آپس میں شیر و شکر تھے۔ سب کا دکھ سکھ سانجھا ہوا کرتا تھا۔ ایک مظلوم کی فریاد پر سب لبیک کہہ دیا کرتے تھے۔ مل جل کر طوفانوں کے رخ موڑ دینا ان کی عادت تھی۔ دنیا کی سپر طاقتوں سے ٹکرا جانا ان کے لیے معمولی کام ہوتا تھا۔ وہ بس اپنے اللہ سے امیدیں وابستہ کیے ہوئے اللہ کی رضا اور جنت کے متلاشی، فرشتہ صفت انسان ہوا کرتے تھے۔ جبکہ آج ہم تحمل و برداشت سے عاری ہیں۔ کسی کی بات برداشت کرنے کی ہم میں ہمت نہیں۔ بات بے بات آپس میں الجھ پڑتے ہیں جس کے باعث مکار دشمن عیاری کے ساتھ اپنے مفادات حاصل کر رہا ہے۔ وہ ہمیں آپس میں الجھا کر خود دنیا پر حکمرانی کر رہا ہے۔ ہر اسلامی ملک خانہ جنگی کا شکار ہے۔ اس وقت روئے زمین پر ہر کہیں مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا ہے۔ ہر اسلامی ملک میں مغربی اور مغرب زدہ مقامی میڈیا کے زور سے عوام کو دین اور اپنے اسلاف کے روشن کردار سے متنفر کیا جا رہا ہے، اور ہمارے عوام پوری طرح ان کے رنگ میں رنگے جا رہے ہیں۔

آج ہم کس قدر عقل و دانش کے بحران میں مبتلا ہیں کہ جو بھیڑیے ہمارا خون پی رہے ہیں ہم حصولِ انصاف کے لیے انھی کے دروازوں پر دستک دے رہے ہیں اور اپنے ہاں امن و امان قائم کرنے کے لیے ان کا لبادہ اوڑھنے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ بس اللہ ہی ہمارے حال پر رحم فرمائے۔ علامہ اقبال نے ہمارے فرنگیوں سے امیدیں باندھنے پر یوں سرزنش کی تھی ؎

تُرا نادان امیدِ غمگساری ہاز افرنگ است



دلِ شاہین نہ لرزد بہرِ آن مُرغی کہ در چنگ است

(اے نادان! تجھے فرنگ سے غمگساریوں کی امید ہے؟ اس پرندے کے لیے شاہین کا دل نہیں لرزتا جو اس کے پنجوں میں دبا چیخ رہا ہو۔)

⑤ جرأت و بہادری کا مظاہرہ کرنا

جن لوگوں میں جرأت و بہادری نہیں ہوتی انھیں دیارِ غیر کے خس و خاشاک بھی ڈرایا کرتے ہیں۔ اور جس قوم میں جرأت و بہادری ہوتی ہے ان سے وقت کے شہ زور بھی لرزا کرتے ہیں اور ان کا دشمنوں پر رعب ہوتا ہے۔ دشمن ان کے متعلق محتاط ہوتا ہے اور سپر طاقتیں اپنے ایوانوں میں ان سے خوف زدہ رہتی ہیں۔

آج ہم اپنی حالت دیکھ لیں کہ ہمارے دشمن ہمارے متعلق کتنے محتاط ہیں؟ ہمارے بارے میں کیسی زبان استعمال کررہے ہیں؟ ہمارے وطن میں حکومت ،اعلیٰ عدلیہ اور ایٹمی اسلحے سے لیس فوج کی موجودگی میں کس طرح ڈرون حملے ہورہے ہیں؟

آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہم کتنے بہادر، جرأت منداور غیرت مند ہیں؟

ہمیں عزت اور سر بلندی کے ساتھ جینے کے لیے اپنے اندر سے بزدلی ، منافقت اور دوغلی پالیسی کے عوارض کو ختم کرنا ہوگا۔

⑥ خود اعتمادی پیدا کرنا

ہمیں اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرنی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم مجموعی طور پر خود اعتمادی سے محروم ہیں۔ دنیا میں ہمیشہ وہی قومیں ابھرتی ہیں جنھیں اپنے اصول وضوابط اور دستور وقوانین پر اعتماد ہوتا ہے، جو اپنی سوچ و فکر اور منشور میں آزاد ہوتی ہیں، جنھیں اپنے دست و بازو پر یقین ہوتا ہے، تعلیمی میدان سے لے کر سیاسی سرگرمیوں اور دست کاری سے لے کر اسٹیٹ بینک تک جن کی اپنی پالیسیاں ہوتی ہیں۔

جس قوم میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہ ہو، جس کا اپنا منشور ہو نہ نظامِ تعلیم، اور جو تعلیمی میدان سے لے کر سیاست تک ہر میدان میں غیروں کے طرز عمل سے متاثر ہو۔ ذرا دل پہ ہاتھ رکھ کر بتایئے گا اس قوم کا کیا حال ہوگا؟

قارئین کرام! تاریخ کا مشاہدہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر کسی کی نقل وہ کرتے ہیں جن کا اپنا کوئی منشور نہیں ہوتا ،اپنا لائحہ عمل اور دستور وقوانین نہیں ہوتے۔ ان کے بازوؤں میں طاقت نہیں ہوتی، ان کے دل و دماغ میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی، اور سب سے بڑھ کر ان کے پاس کوئی آئیڈیل رہبر ورہنما نہیں ہوتا۔

افسوس کا مقام ہے کہ جن کے پاس آئیڈیل رہنما موجود ہو، جن کی اپنی تہذیب ہو، اپنا نظامِ تعلیم ہو، جن کے اصول وضوابط اور قوانین کو آج تک کوئی چیلنج نہ کر سکا۔ جنھیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی بدولت سب کچھ عطا کیا ہو، پھر وہ مغرب کی اندھی تقلید کرنے لگیں، ان کی عریانی و فحاشی پر مشتمل تہذیب کو اپنانے لگیں تو بس اللہ تعالیٰ ہی ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

ہمیں ترقی وخوشحالی کے لیے مغرب کی تہذیب کو چھوڑنا ہو گا اور اسلامی تہذیب و ثقافت کو اپنانا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسلامی تہذیب وتمدن اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

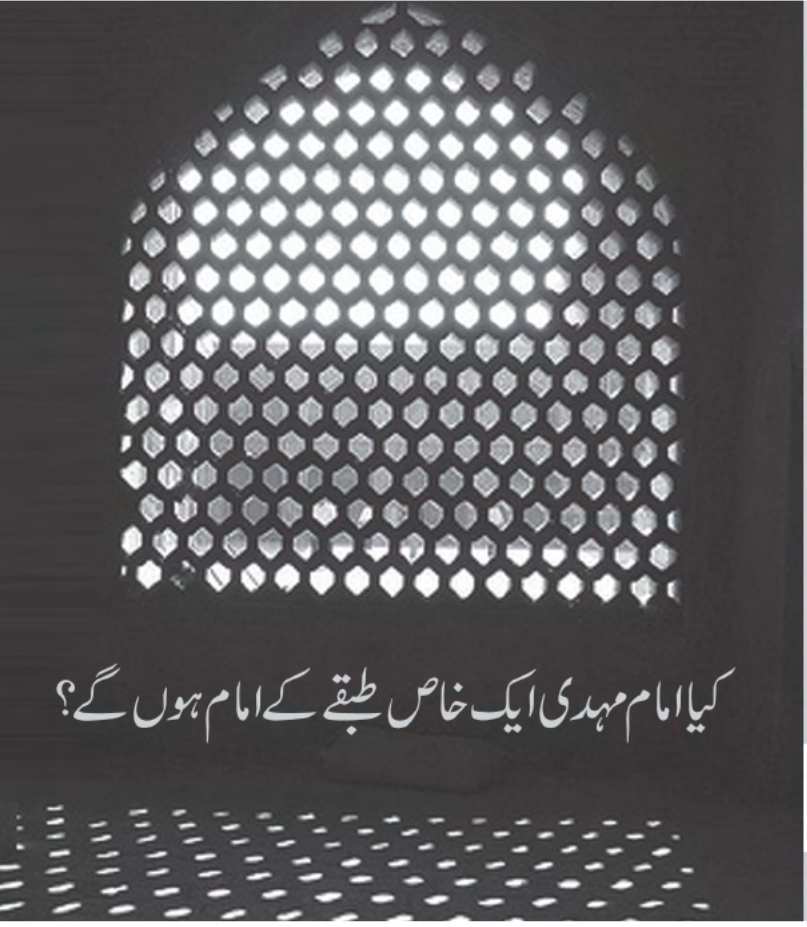
⑦ ایثار وقربانی کرنا

جو لوگ اپنی ضروریات اور خواہشات کو دفن کر کے اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں یا کم از کم جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں وہی دوسروں کے لیے بھی پسند کرتے ہوں تو ساری دنیا میں ان کی حکمرانی ہوتی ہے۔ اگرچہ ان کے قومی خزانے خالی ہوں، گھروں میں فاقے ہوں، پیٹ پر بھاری پتھر بندھے ہوں، ان کی مستقل فوج اور ذرائع آمدنی نہ ہوں، پھر بھی دنیا میں ان کا لوہا مانا جاتا ہے۔ ان کا دشمن خوف زدہ ہوتا ہے اور یہ نہایت سکون واطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں قومی اور صوبائی سطح پر ان عظیم صفات کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

محترم قارئین! ان گزارشات پر عمل کر کے ہم اپنے ملکی اور عوامی حالات بدل سکتے ہیں۔ مجھے اور آپ کو بارش کا پہلا قطرہ بننا ہوگا، ان شاء اللہ چند ہی دنوں میں فضاؤں کا رخ بدلنا شروع ہو جائے گا۔ اللہ پاک ہم سب کا حامی وناصر ہو، آمین!

وما توفیقی الا باللّٰہ، علیہ توکلت و إلیہ أنیب.



امام مہدی منتظر

تعارف، زمانۂ ظہور، پیروکار اور حکمتیں

کیا امام مہدی ایک خاص طبقے کے امام ہوں گے؟

محمد نعمان فاروقی ریسرچ فیلو دارالسلام

عقیدہ ظہور امام مہدی

ہر مومن کے لیے واجب ہے کہ وہ نبوی فرمودات کی تصدیق کرے۔ خصوصاً وہ فرمودات عالیہ جن کو ہر عہد میں ایک بڑی جماعت نے روایت کیا ہو اور وہ حد تواتر تک پہنچتے ہوں ان سے کسی صورت مفرّ نہیں ہونا چاہیے۔ امام مہدی کے ظہور کے متعلق احادیث مبارکہ بھی یہی درجہ رکھتی ہیں۔ شیخ عبدالمحسن العباد نے 26 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکر فرمایا ہے جن سے امام مہدی کے متعلق احادیث مروی ہیں۔ اسی طرح انھوں نے ان 38 محدثین کا تذکرہ بھی کیا ہے جنھوں نے امام مہدی کے حوالے سے روایات درج کی ہیں۔ علاوہ ازیں شیخ عباد نے امام مہدی کے موضوع پر 10 مستقل کتابوں کا تعارف بھی پیش کیا ہے۔

شیخ آبری سجزی، محمد برزنجی، علامہ شوکانی، نواب صدیق حسن خان قنوجی اور شیخ محمد جعفر کتانی رحمہم اللہ نے احادیث مہدی کو تواتر کا درجہ دیا ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیش گوئی فرمائی ہے، اس پر ایمان رکھنا اور اس کی تصدیق کرنا تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ علامہ سفارینی لکھتے ہیں: ''امام مہدی کے ظہور کے متعلق بہت سی روایات آئی ہیں حتی کہ وہ حد تواتر کو پہنچتی ہیں۔ اور یہ بات محدثین کرام کے نزدیک بہت معروف ہے حتی کہ یہ ان کے عقائد میں بھی شامل ہے۔'' (بحواله أشراط الساعة، ص: 261,260)

ظہور امام مہدی.....احادیث مبارکہ

ذیل میں موضوع سے متعلقہ مقبول روایات کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے:

① سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: «كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ» ''کیا ہی موقع ہوگا جب عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام تم میں اتریں گے اور تمھارا امام تمھی میں سے ہوگا۔'' (صحيح البخاري، حديث: 3449)

② سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''میری امت میں سے ایک نہ ایک گروہ ہمیشہ حق کی خاطر (باطل سے) برسرپیکار رہے گا، پھر عیسیٰ ابن

مریم علیہا السلام نازل ہوں گے تو مسلمانوں کے امیر ان سے کہیں گے: آیئے! ہمیں نماز پڑھایئے۔ وہ کہیں گے: نہیں۔ یقیناً تمھارا امیر بھی تمھی میں سے ہوگا۔ یہ اللہ کی طرف سے اس امت کا اعزاز ہے۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 156)

صحیحین کی مذکورہ روایات سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے موقع پر مسلمانوں کا ایک امیر ہوگا۔ غالب ترگمان یہی ہے کہ یہ امام مہدی ہوں گے کیونکہ امام مہدی کے ظہور سے پہلے مسلمانوں کے ایک امیر کے تحت جمع ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ صحیحین کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں صراحت کے ساتھ امام مہدی کے ظہور کا تذکرہ ہے۔

یاد رہے! امام کا لفظ اس لیے نہیں لکھا جا رہا کہ یہ متعین کردہ بارہ ائمہ میں سے ایک ہیں بلکہ اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے امام اور امیر ہوں گے۔ لفظ ''مَہدی'' کا مطلب ہے ''ہدایت یافتہ'' اور لفظ ''ظہور'' عربی کے لفظ ''خروج'' کا ترجمہ ہے۔ اس کا مطلب یہ قطعاً نہیں کہ وہ کہیں چھپے ہیں اور ایک وقت آنے پر ظاہر ہوں گے۔ ''خروج'' کا لفظ اردو میں اچھے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا، اس وجہ سے اسے استعمال نہیں کیا جاتا۔

③ حدیث میں ہے: ''میری امت کے آخری دور میں مہدی کا ظہور ہوگا۔ اللہ ان کے دور میں بھرپور بارش برسائے گا، زمین اپنی نباتات اگائے گی اور مال برابر سرابر تقسیم کیا جائے گا، مویشی کثرت سے ہوں گے اور امت کا بڑا وقار ہوگا اور وہ 7 یا 8 سال زندہ رہیں گے۔'' (مستدرك الحاكم: 4/557، السلسلة الصحيحة: 2/336)

④ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مہدی مجھ سے ہوں گے۔ ان کی پیشانی فراخ اور ان کی ناک ابھری ہوئی ہوگی، وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے جیسا کہ اس سے قبل وہ ظلم و جور سے اٹی ہوئی ہوگی۔'' (سنن أبي داود، حديث: 4285)

⑤ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دنیا ختم نہیں ہوگی حتی کہ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص عرب کا حکمران بنے گا۔ اس کا اور اس کے والد کا وہی نام ہوگا جو میرا اور میرے والد کا ہے۔'' (سنن أبي داود، حديث: 4282)

⑥ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری امت کے آخری زمانے میں ایک خلیفہ ایسا ہوگا جو بغیر شمار کیے لوگوں کو جھولیاں بھر بھر کر مال دے گا۔'' (صحیح مسلم: 2913)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امام مہدی کی علامات بیان کرنے میں جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ انتہائی محبت و وارفتگی کا مظہر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو فرماتے کہ اس کا نام محمد اور اس کے والد کا نام عبداللہ ہوگا مگر ظلم و جور سے بھری زمین کو عدل و انصاف سے بھرنے والے خاندانِ نبوت کے چشم و چراغ کا مذکورہ طریق سے ذکر کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ان سے محبت کرنے پر ابھارا ہے۔ جو محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتا ہے وہ امام مہدی کو اچھی طرح جان لے، جو آپ سے محبت کرتا ہے وہ ان سے محبت کرے اور مستزاد براں یہ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیٹی خواتین جنت کی سردار سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہوں گے۔ اور وہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی آل میں سے ہوں گے۔

اسی طرح نزول عیسیٰ علیہ السلام کی حدیث میں «كَيْفَ أَنْتُمْ» ''تمھارا کیا حال ہوگا یا تمھارے لیے کیا ہی موقع ہوگا!!'' کے الفاظ بھی مومنوں کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑاتے ہیں اور کیف و سرور کی عجب سی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ گویا کہ امام مہدی امت کے مسیحا ہوں گے۔ امید کا پیغام ہوں گے اور عظمت کا نشان ہوں گے۔ یہ «أَنْتُم» کا خطاب ہر سچے امتی کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ امام مہدی پر کسی خاص گروہ کی اجارہ داری ہوگی یا امام کے جملہ حقوق ان کے پاس محفوظ ہیں، حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ امام مہدی ہر سچے مسلمان کے امام ہوں گے۔ محدود تأثر کو زائل کر کے اہل بیت کے اس درخشندہ ستارے کے تذکرے کو ہر فورم پر عام کرنے کی ضرورت ہے۔ موجودہ دور میں اس موضوع کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کیونکہ رفتہ رفتہ حالات و احوال اسی طرف جاتے نظر آتے ہیں۔ ابتری، فساد اور بگاڑ کی طرح جب خشک سالی کا دورانیہ بڑھ جاتا ہے تو پھر ایک انتظار کے بعد تیز ہوائیں بارش کا

پیغام لے کر آتی ہیں۔ اب بھی امت ظاہری اور معنوی خشک سالی کا شکار ہے۔ اب ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ کسی قائد کا ظہور ہو جو اس بکھری امت کی قیادت کرے۔ اگر امت میں صحیح احادیث نبویہ پر مبنی امام مہدی سے متعلقہ معلومات اور پیش گوئیوں کو عام کیا جائے تو ہر امتی امام مہدی کا منتظر نظر آئے۔ اور اس کی خواہش ہو کہ وہ ایسا عقیدہ اور حلیہ اپنائے کہ وہ لشکر مہدی میں شامل ہو سکے۔

امام مہدی کا ظہور کہاں سے ہوگا؟

حدیث میں ہے: ''.....پھر مشرق کی طرف سے سیاہ جھنڈے ظاہر ہوں گے اور وہ تم لوگوں کو اس طرح قتل کریں گے کہ اس سے پہلے کسی نے قتل نہ کیا ہوگا۔'' پھر فرمایا: ''جب تم اسے دیکھو تو اس کی بیعت کرو اگرچہ برف پر گھسٹ کر آنا پڑے کیونکہ وہ اللہ کا خلیفہ مہدی ہوگا۔'' (سنن ابن ماجه، حديث: 4084) یہ حدیث ضعیف ہے اس وجہ سے یہ دلیل نہیں بن سکتی۔ ہاں البتہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ میں اس حدیث کو حسن کہا ہے اور اسی کی بنیاد پر انھوں نے امام مہدی کے متعلق لکھا ہے کہ ان کا ظہور بلاد مشرق سے ہوگا۔ (بحواله أشراط الساعة للوابل، ص: 251) اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے روایات کی روشنی میں بیت اللہ کے پاس امام مہدی کی بیعت کا بھی ذکر کیا ہے۔ (النهاية فی الفتن: 38/1) مگر یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ (دیکھیے سنن أبي داود، حديث: 4286) محقق غفیلی لکھتے ہیں: ''امام مہدی کے ظہور کے مقام اور قیام کی مدت کے بارے میں کوئی بھی صحیح روایت موجود نہیں لیکن بعض روایات سے کئی ایک اہل علم نے کچھ نہ کچھ تعیین کی ہے۔'' (أشراط الساعة للغفيلي، ص: 97)

خود راقم نے بھی اس حوالے سے مقبول روایت تلاش کرنے کی کوشش کی اور اپنے ایک رفیق عبدالبصیر خالد صاحب کو بھی زحمت دی مگر تا حال کوئی ایسی روایت نہیں ملی۔

یہ تو حقیقت ہے کہ امام مہدی کا ظہور جہاں سے بھی ہوگا مگر ان کے ہم خیال ہر طرف سے امڈ آئیں گے اور ان کو سپورٹ کریں گے۔

امام مہدی کے لشکری کون ہوں گے؟

ایک حدیث میں آتا ہے: «يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ فَيُوَطِّئُونَ لِلْمَهْدِيِّ سُلْطَانَهُ» ''مشرق سے ایک قوم ظاہر ہوگی اور وہ مہدی کی حکومت اور سلطنت میں اس کی معاون بنے گی۔'' (المعجم الأوسط: 12414) مگر یہ روایت خاصی ضعیف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیدنا امام مہدی خود بھی اپنے نانا محترم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین پر کاربند ہوں گے۔ اسی کے مطابق وہ فیصلے کریں گے اور اسی کے مطابق حکمرانی کریں گے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ کسی اور دین یا مذہب پر کاربند ہوں۔ لہٰذا ان کے لشکری بھی وہی ہو سکتے ہیں جو قرآن و سنت کی صحیح تعلیمات کو اپنائے ہوئے ہوں گے یا کم از کم قریب تر ہوں گے۔

ظہور امام مہدی کی حکمتیں

* امام مہدی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ اس کی حکمت یہ بیان کی گئی ہے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اتفاق کے لیے خلافت کی قربانی دے کر صلح کی تھی اور اللہ کی رضا کی خاطر انھوں نے ایسا کیا تھا۔ اللہ کے علم میں تھا کہ ایسا ہونا ہے، اس لیے ان کی اولاد میں سے امام مہدی کو آخری زمانے میں خلافت کے انعام سے نوازنے کی پیش گوئی زبان نبوت سے کرائی گئی۔
* بہت سے لوگ اپنے آپ کو آلِ علی میں سے ثابت کرتے اور سید کہلاتے ہیں۔ امام مہدی کے ظہور سے یہ واضح ہو جائے گا کہ کون اصلی سید ہے اور کون.....۔
* امام مہدی کے ظہور کی آڑ میں بہت سے لوگوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا جن میں ایک بدنصیب مرزا غلام احمد قادیانی بھی تھا، لہٰذا جب حقیقی امام مہدی آئیں گے تو ایسے سارے فریب کاروں کے فریب اور ان پر چڑھے ''خدمت اسلام'' کے لیبل اتر جائیں گے۔ اور مہدی ہونے کے دعویداروں کے جھوٹے مذاہب کی قلعی کھل جائے گی۔ اور ان کے جھوٹے پیروکار بھی منہ چھپاتے پھریں گے۔
* شیعہ امام مہدی کو 12 ائمہ میں سے آخری امام سمجھتے ہیں۔ اور اس بارے میں حدیث بھی پیش کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «لَا يَزَالُ هٰذَا الدِّينُ عَزِيزًا مَّنِيعًا إِلَى اثْنَى عَشَرَ خَلِيفَةً»

''بارہ خلفاء (کے عہد) تک یہ دین مسلسل غالب اور (دشمنوں سے) محفوظ رہے گا۔'' (صحیح مسلم، حدیث: 1821) اس بات کا غالب گمان ہے کہ جن خلفاء کے عہد میں دین غالب اور محفوظ رہے گا ان میں سے ایک امام مہدی بھی ہوں گے جیسا کہ امام ابوداود رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں ''کتاب المہدی'' کی پہلی حدیث یہی بارہ خلفاء والی کوڈ کی ہے۔ مگر امام مہدی کے حوالے سے شیعہ کا نکتۂ نظر دیگر احادیث سے متصادم ہے۔ جیسا کہ ان کا دعویٰ ہے کہ امام محمد بن حسن عسکری 5 سال کی عمر میں اصل قرآن لے کر غار میں چھپ گئے تھے اور اب ان کا ظہور ہوگا۔ ان کا غار میں چھپنا کسی بھی حدیث سے ثابت نہیں۔ صحیح حدیث میں ہے: «اَلْمَهْدِيُّ مِنَّا اَلِ الْبَيْتِ يُصْلِحُهُ اللّٰهُ فِي لَيْلَةٍ» ''مہدی اہل بیت میں سے ہوں گے اللہ تعالیٰ ایک رات ہی میں انھیں اس (خلافت کے) قابل بنادے گا۔'' (السلسلة الصحيحة: 2371) اس حدیث سے سیکڑوں سالوں سے امام مہدی کے زندہ رہنے کی نفی ہوتی ہے۔

✵ امام مہدی ملت اسلام کے ایک ہی امیر ہوں گے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اتفاق ہی سے دشمن کو مات دی جاسکتی ہے۔ اسی طرح ان کے ظہور سے مسلمانوں کا باہمی انتشار و افتراق بھی ختم ہوگا اور اس کے صلے میں امت برکات سے بھی لطف اندوز ہوگی۔

✵ اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی سعادت ان لوگوں کے نصیب میں لکھی ہے جو امام مہدی کا ساتھ دیں گے اور یہ سعادت ان کے ظہور ہی سے وابستہ ہے۔

✵ جیسے عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں لیکن جب عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو یہ سب جھوٹے دعویدار شرمندہ ہوں گے اور اپنے آپ کو کوسیں گے کہ ہم جس صلیب کی حمایت کئی صدیوں سے کرتے آرہے ہیں، وہ غلط تھی۔ بالکل اسی طرح امام مہدی کے جھوٹے دعویدار اور جھوٹے منتظر بھی شرمندہ ہوں گے۔ غرضیکہ باطل نظریات کے حامل لوگوں کا فریب اسی وقت تک چل سکتا ہے جب تک امام مہدی کا ظہور نہیں ہوتا جب ان کا ظہور ہوگا تو سب کچھ واضح ہوجائے گا۔ اور یہ فیصلہ بھی ہوجائے گا کہ کس کا مؤقف درست تھا۔

✵ جو لوگ امام مہدی کے منتظر ہونے کے دعویدار ہیں یا جن لوگوں نے اپنے اپنے امام مہدی کا ظہور کرلیا ہے ایسے لوگ امام مہدی کا انکار کردیں گے۔ کیونکہ ان کے ظہور اور نظریات سے ان کے نظریات میل نہیں کھاتے ہوں گے یا یہ جسے سمجھتے ہوں گے وہ امام مہدی نہیں ہوں گے۔ کیونکہ تمام شیعہ جس کو امام مہدی سمجھتے ہیں ظاہر ہے امام مہدی وہ تو نہیں ہوں گے کیونکہ حدیث میں بتایا گیا ان کے والد کا نام وہ نہیں جو شیعوں کے بارہویں امام کا ہے۔ اس طرح امام مہدی کے ذریعے بہت سے لوگوں کی آزمائش ہوگی۔ کئی لوگوں کی آزمائش انتظار کے مرحلے میں اور کئی ایک کی ظہور کے وقت۔ بالکل ایسے ہی جیسے اہل کتاب نبی ﷺ کے منتظر تھے لیکن بعثت کے بعد پہچاننے کے باوجود کئی وجوہات کی بنا پر انھوں نے انکار کردیا اور حجت پوری ہونے پر عذاب الٰہی کے مستحق ٹھہرے۔

اہم پیغام

امت مسلمہ کو چاہیے کہ وہ پر امید ہوکر امام مہدی کے ظہور کا انتظار کرے کیونکہ یہ امت کے غلبے کا وقت ہوگا۔ احادیث میں موجود آخری دور کے متعلق امید افزا پیش گوئیوں سے امت کو خوش ہونا چاہیے۔ مگر اس انتظار کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ اپنی کاوشوں کو ظہور امام مہدی تک معطل قرار دے دیا جائے اور ہر موقع کو اور کفار کے ہر حملے کو یہی کہہ کر ٹال دیا جائے کہ امام مہدی کا ظہور ہوگا تو پتہ چلے گا۔ امام مہدی کے ظہور سے متعلق نبوی پیش گوئیوں کا مطلب امت کو اپاہج بنانا یا عمل و کردار سے عاری کرنا نہیں کیونکہ اسلام کے احکامات جیسے جہاد، اسلامی تعلیم کا حصول اور مسلمانوں کا دفاع اور کفار کی چالوں کو ناکام بنانا امت پر وقت کے تقاضوں کے مطابق صبح قیامت تک لازم ہے۔ اسلامی تعلیمات میں دور دور تک ایسا کوئی اشارہ نہیں کہ دینی سرگرمیوں کو امام مہدی کے ظہور تک معطل کردیا جائے۔ اس نبوی پیش گوئی میں تو یہ اشارہ ہے کہ امام مہدی کا ظہور ہوگا اور مسلمانوں کو چاہیے کہ انھیں سپورٹ کرنے کے لیے میدان سجائیں، محاذ گرم کریں اور پلیٹ فارم تیار کریں۔ غالباً جن ایام سے ہم گزر رہے ہیں وہ اسی نوعیت کی کاوشوں کا تقاضا کرتے ہیں۔

خدمتِ دین کے لیے دوسروں کا دست نگر نہیں بننا...!



40 سے زائد مرتبہ
درسِ بخاری دینے والے
شیخ الحدیث
حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ
سے دلچسپ مکالمہ

حالاتِ زندگی، واقعات، آثار و خدمات

محمد ارسلان حجازی

ضیائے حدیث میں سب سے پہلے آپ کا شکریہ ادا کروں گا کہ آپ نے پیرانہ سالی اور اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود ماہنامہ ضیائے حدیث کے لیے وقت دیا۔ میں آپ سے پہلا سوال یہ کرنا چاہوں گا کہ اپنے خاندانی پس منظر سے آگاہ فرمائیں، آپ کی پیدائش کب ہوئی اور والد مرحوم کیا کرتے تھے، آپ نے تعلیم کہاں سے حاصل کی؟

حافظ صاحب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ پاسپورٹ کے مطابق میری پیدائش 1940ء کی ہے۔ والدہ کی روایت کے مطابق پیدائش کی تاریخ میں ایک دو سال زیادہ بھی ہوسکتے ہیں۔ ہمارا اصل گاؤں کلس ہے۔ یہ لاہور سے 21 میل کے فاصلے پر کھیم کرن کے قریب قصور سے 6، 7 میل مشرق میں واقع ہے۔ اب کلس بھارت میں ہے، بالکل سرحد کے قریب۔ ہم راجپوت برادری سے تعلق رکھنے والے زمیندار ہیں۔ ہمارے خاندان میں دین کا کوئی ذوق وشوق نہ تھا۔ ہمارے ایک بزرگ تھے ان کا نام تھا میاں محمود۔ ہمارے خاندان کے یہ پہلے فرد تھے جنھوں نے میر محمد (حافظ یحییٰ عزیز مرحوم میر محمدی کے گاؤں) سے دین سیکھا اور عقیدے کی اصلاح پائی۔ ہمارے آبائی گاؤں کلس سے میر محمد تقریباً 15 میل دور ہے۔ اس کے بعد میاں محمود دہلی چلے گئے، وہاں بھی وہ کچھ عرصہ زیر تعلیم رہے۔ جب وہ تعلیم حاصل کرکے گاؤں واپس آئے تو یہاں انھوں نے توحید کی دعوت، عقائد کی اصلاح اور دین کی اشاعت کا کام شروع کیا۔ ہمارے گاؤں کی مسجد میں ایک پکی قبر تھی لوگ اس کی پوجا کرتے تھے۔ میاں محمود کی کوششوں سے عقائد کی اصلاح ہونے لگی اور لوگ صحیح عقیدہ اختیار کرنے لگے اور قبر کی پوجا چھوڑ دی۔ ہمارے گاؤں کے لوگ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کو بھی کلس میں دین کی تبلیغ اور عقائد کی اصلاح کے لیے بلایا کرتے تھے۔ ہمارے بزرگ بتاتے ہیں کہ

> ایک دفعہ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ تشریف لائے۔ انھوں نے صحیح دین اور عقیدہ توحید کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''ایک گلاس جو پانی سے لبریز ہو اگر اس میں مزید پانی ڈالو گے تو گر جائے گا اگر نکالو گے تو کم ہوجائے گا۔ اسی طرح دین میں بھی کسی قسم کی کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے۔''

ہمارے گاؤں میں سارے مسلمان تھے۔ علی الاعلان قربانی بھی ہوتی تھی۔ قرب و جوار کے ہندو اور سکھ ہم سے ڈرتے تھے۔ ہمارے گاؤں میں کچھ لوگ تھے جو خود کو شاہ کہلاتے تھے۔ یہ مشرکانہ عقائد کے حامل تھے۔ ان کے ساتھ ایک مناظرہ بھی ہوا۔ ہماری طرف سے مناظر حافظ عبدالقادر روپڑی رحمہ اللہ تھے۔ موضوع نماز تراویح کی رکعات کی تعداد تھا۔ اللہ نے اس مناظرے میں حافظ عبدالقادر مرحوم کو عظیم الشان فتح سے نوازا تھا۔ اس مناظرے سے عقیدۂ توحید کو بہت پزیرائی ملی اور لوگ جوق در جوق مسلک حق کی طرف آئے۔

ہماری راجپوت برادری میں دین کی تعلیم کے حصول کا رجحان کم ہے۔ دین سے دور ہیں اور پڑھنے کا شوق بھی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ راجپوت برادری میں علماء کم ہیں۔ میاں محمود صاحب کے بعد ہماری برادری کے جس



اہم فرد نے دین کی تعلیم حاصل کی وہ پروفیسر حافظ ثناء اللہ صاحب کے والد گرامی مولانا محمد عبداللہ کلسوی ہیں۔ یہ امرتسر میں مولانا نیک محمد صاحب اور دیر وال میں مولانا عبداللہ صاحب سے پڑھنے کے لیے گئے۔ ان کی اسناد میں نے دیکھی ہیں۔ یہ جب واپس آئے تو انھوں نے صحیح طریقے سے ہمارے گاؤں کلس میں دعوت دین کا کام شروع کیا۔ ان کا معمول تھا کہ وہ صبح روزانہ قرآن مجید کا درس دیتے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد جب ہم ''سرہالی کلاں'' منتقل ہوئے تو یہاں بھی مولانا عبداللہ کا یہ معمول رہا۔

ضیائے حدیث قیام پاکستان کے وقت جب آپ سرہالی کلاں منتقل ہوئے تو اس وقت آپ کے لیے کوئی مشکل، پریشانی یا آپ کا جانی و مالی نقصان ہوا؟

حافظ صاحب پریشانی بہت اٹھانی پڑی، البتہ جانی نقصان نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ

ہمارے گاؤں کا اردگرد کی آبادیوں پر بہت رعب تھا۔ ہمارے گاؤں اور برادری کے لوگ اس حد تک بے خوف تھے کہ وہ ہجرت کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ ان کو ملٹری نے آ کر اٹھایا۔

کلس سے ہجرت کر کے ہمارے بزرگ پہلے لکھنیکے منتقل ہوئے، پھر ایک دو جگہ اور شفٹ ہوئے، آخر میں سرہالی کلاں میں مستقل آباد ہو گئے۔ سرہالی کلاں میں آباد ہونے کا مشورہ ہمارے ایک ماموں نے دیا جو زمیندار تھے۔ وہ کہنے لگے: سرہالی کلاں زرعی اعتبار سے سونے کی چڑیا ہے، اس لیے یہاں آباد ہونا بہتر ہے۔ پروفیسر حافظ ثناء اللہ کے والد گرامی مولانا عبداللہ بھی سرہالی میں آ گئے۔

ضیائے حدیث آپ اپنے بارے میں فرمائیں کہ آپ نے تعلیم کا سلسلہ کب شروع کیا؟

حافظ صاحب میں نے پرائمری تعلیم اپنے گاؤں سرہالی کلاں میں حاصل کی۔ اس وقت پرائمری تعلیم کو بھی بہت اہم سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بعد حفظ قرآن شروع کیا۔ حفظ قرآن کی وجہ یہ بنی کہ ہمارے گاؤں میں ایک استاد آ گئے جن کا نام قاری خدا بخش تھا۔ ان کی منزل بہت پختہ تھی۔ تلفظ بھی بہت اچھا تھا۔ پورے قرآن مجید میں کوئی مشابہہ بھی ان کو نہ لگتا تھا۔

مولانا عبداللہ مرحوم (پروفیسر حافظ ثناء اللہ کے والد گرامی) کو وہ قاری صاحب بہت پسند آئے۔ مولانا عبداللہ مرحوم نے فیصلہ کیا کہ راجپوت برادری کے ذہین اور اچھے افراد قرآن مجید حفظ کریں۔ اس فیصلے کے بعد سرہالی کلاں میں باقاعدہ مدرسہ شروع کیا گیا۔

اس سے پہلے مولانا عبداللہ اپنے طور پر ایک دو طلبہ کو دینی کتابیں پڑھایا کرتے تھے اور ساتھ زمینداری بھی کرتے تھے۔ جب حفظ کا مدرسہ بنا تو میں اس کے ابتدائی طلبہ میں سے تھا۔ حفظ قرآن مجید کے دوران بہت مراحل آئے اور مدوجزر سے گزرنا پڑا۔ وجہ یہ تھی کہ قاری خدا بخش مرحوم کہیں ٹکتے نہ تھے۔ ان کے کھانے پینے کا ذوق بھی عجیب وغریب تھا۔ کھانے میں پکی ہوئی کوئی چیز بھی ان کو مشکل سے ہی پسند آتی تھی۔ ان کی اس عادت کی وجہ سے پورا گاؤں لاچار ہو گیا۔ ایک دفعہ ایسے ہوا کہ سخت گرمی کا موسم تھا، قاری صاحب کہنے لگے کہ میں نے بکرے کا گوشت کھانا ہے۔ دیہاتوں میں اس وقت بکرے کا گوشت عام نہیں ملتا تھا۔ چنانچہ میں دوپہر 1 بجے سخت گرمی کے موسم میں اپنے گاؤں سے چلا۔ سرہالی کلاں سے للیانی ساڑھے تین میل ہے، وہاں سے گوشت خرید کر میں ایک گھنٹے میں واپس پہنچ گیا۔ جب گوشت پکا کر قاری صاحب کے سامنے پیش کیا گیا تو مجھے یاد نہیں کہ انھوں نے وہ بھی کھایا تھا یا نہیں۔ جب قاری صاحب سرہالی تشریف لائے تو بہت سے گھروں سے باری باری ان کا کھانا جاتا تھا لیکن کچھ ہی عرصہ بعد سب نے ہاتھ کھڑے کر دیے۔ صرف دو گھر ایسے تھے جو باقاعدگی سے ان کی خدمت کرتے رہے۔ ایک مولانا عبداللہ کا اور دوسرا ہمارا گھر تھا۔ قاری صاحب قابل بہت تھے لیکن ان میں مستقل مزاجی نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے اکثر شاگرد بھی چھوڑ گئے۔ صرف دو طالب علم ان کے پاس رہ گئے۔ ایک میں تھا اور دوسرا میرا چچازاد مقبول احمد۔ بہرکیف قاری صاحب جہاں بھی گئے ہم نے ان کو چھوڑا نہیں۔ وہ کبھی ہمیں لاہور لے آتے، کبھی میر محمد، کبھی کسی جگہ اور کبھی کسی جگہ، آخر پھر وہ سرہالی کلاں آ گئے تو ہم بھی ان کے ساتھ تھے۔ قرآن مجید کی تکمیل ہم نے سرہالی کلاں میں کی۔ جب ہم نے قرآن مجید حفظ کر لیا تو اس وقت ہمارے گاؤں میں ایک بزرگ حاجی عبدالعزیز تھے، بہت نیک اور صالح انسان تھے، کہنے لگے: دینی کتابوں کی تعلیم کے لیے دونوں بچوں کو کسی



مدرسے میں داخل کروادیا جائے۔

میری والدہ مرحومہ کو بھی دین کا بہت شوق تھا، والد کو بھی شوق تھا لیکن اس حد تک نہیں جتنا شوق والدہ کو تھا۔ چنانچہ حاجی عبدالعزیز صاحب کی تجویز پر کئی مدرسوں کے نام زیرغور آئے۔ آخر فیصلہ ہوا کہ حافظ عبداللہ محدث روپڑی کے مدرسے چوک دالگراں میں داخل کروایا جائے۔ اس طرح میں اور حافظ مقبول احمد مسجد قدس چوک دالگراں میں بغرض حصول تعلیم داخل ہوگئے۔ مسجد قدس اس وقت اہل علم کا مرکز تھا۔ یہ مسجد چونکہ ایک طرف ریلوے اسٹیشن کے قریب ہے دوسری طرف سلطان کی سرائے اور کراؤن بس کا اڈہ بھی اس کے قریب تھا۔ اس لیے باہر سے کوئی عالم دین لاہور آئے یا لاہور سے کسی نے جانا ہوتا تو مسجد قدس میں ضرور آتے تھے۔ ایک دفعہ ہم پڑھ رہے تھے کہ مولانا محمد یوسف کلکتوی مرحوم تشریف لائے۔

اس طرح مسجد قدس میں اکثر علماء کا آنا جانا رہتا تھا۔

ضیائے حدیث آپ کے ساتھ اور کون کون سے طلبہ زیر تعلیم تھے؟

حافظ صاحب مجھے اس وقت سب کے نام یاد نہیں۔ میری کلاس میں 10، 12 طلبہ تھے جن میں مولانا عبدالسلام کیلانی، حافظ عبدالرحمٰن مدنی، مولانا تاج الدین، سید حبیب الرحمٰن شاہ بخاری راولپنڈی والے جو عبدالغنی شاہ مرحوم خطیب کامونکی کے رشتہ دار تھے وہ بھی ہمارے ساتھی تھے۔

مسجد قدس میں ہمارے اصل استاد حافظ عبداللہ محدث روپڑی تھے۔ وہ علم کا سمندر تھے۔ ایک دفعہ ہم پڑھ رہے تھے کہ مولانا حافظ محمد حسین روپڑی تشریف لائے۔ انھوں نے اپنے بھائی حافظ عبداللہ محدث روپڑی سے مخاطب ہوکر کہا: یہ آپ کیا کررہے ہیں کہ ہمیشہ چھوٹی چھوٹی صرف نحو کی کتابیں ان بچوں کو پڑھاتے رہتے ہیں۔ بڑی کتابیں ان کو شروع کروائیں۔ وہ کہنے لگے: میں ان کی بنیادیں مضبوط کررہا ہوں۔ جو کتابیں میں ان کو پڑھا رہا ہوں بظاہر یہ چھوٹی کتابیں ہیں لیکن ان کو لکھنے والے بہت بڑے بڑے امام ہیں، اس لیے ان کی کتابوں کو چھوٹا نہ کہو۔ ایک وقت آئے گا یہ بچے بھی امام بنیں گے۔

حافظ عبداللہ روپڑی مرحوم نے ہماری بنیادیں اس حد تک مضبوط اور پختہ کیں کہ سارا سارا دن ہمیں لے کر بیٹھے رہتے اور پڑھاتے رہتے۔ ان کی عادت تھی کہ کھانا ایک وقت کھاتے تھے۔ زیادہ تر روزے رکھتے تھے۔ ان کی رہائش ماڈل ٹاؤن میں تھی۔ اس وقت میوہسپتال کے قریب رتن چند کی سرائے تھی، وہاں سے ماڈل ٹاؤن کی بس جایا کرتی تھی۔ بس کا کرایہ چار آنے تھا۔ حافظ صاحب نے جب گھر جانا ہوتا تو کرایہ الگ رکھ لیتے تھے۔ ہم ان کو رتن چند کی سرائے تک بس پر بٹھانے کے لیے آتے تو وہ راستے میں بھی ہم سے ابواب الصرف سنتے جاتے تھے۔ جب کھانا کھاتے تب بھی پڑھاتے رہتے تھے۔ جب صبح آتے تو لیٹ بھی ہوجاتے تھے کیونکہ لوگ ان کے گھر ماڈل ٹاؤن میں بھی مسئلے مسائل پوچھنے کے لیے چلے جایا کرتے تھے۔ لیکن جب وہ مسجد قدس میں آکر پڑھانے کے لیے بیٹھ جاتے تو پھر اٹھنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ ہم تھک جاتے لیکن ان پر تھکاوٹ کے کوئی آثار نہ ہوتے۔

ضیائے حدیث محدث روپڑی رحمہ اللہ کے پڑھانے کا طریقہ کیا تھا؟

حافظ صاحب

حافظ عبداللہ محدث روپڑی کتابیں کم پڑھاتے تھے لیکن بحث زیادہ کرتے، مسائل سے استدلال اور استنباط کرتے اور سمجھاتے تھے۔ بالخصوص صحیح بخاری انھوں نے بہت ہی محنت سے پڑھائی۔ ان کا یہ حکم تھا کہ جب تک تم تین گھنٹے صحیح بخاری کا مطالعہ نہ کرلو میرے پاس پڑھنے کے لیے نہ آیا کرو۔ بعض دفعہ 6 گھنٹے بعض دفعہ 7 گھنٹے تک پڑھاتے رہتے تھے۔ مجھے یاد ہے بعض دفعہ 10، 10 گھنٹے تک پڑھاتے رہتے تھے۔

حافظ محدث روپڑی رحمہ اللہ جب صحیح بخاری پڑھاتے تو ان کی محفل میں ہم طلبہ کے علاوہ کئی علماء بھی آکر استفادہ کرتے تھے۔ ان کے پڑھانے کا انداز بہت خوبصورت تھا۔ جو پڑھاتے بہت محنت، محبت اور یکسوئی سے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کی محفل میں بیٹھ کر دل کی دنیا بدل جاتی تھی۔

جب انھوں نے مشکوٰۃ پڑھائی تو مجھے یوں لگتا تھا جیسے یہ کتاب مجھے قرآن مجید کی طرح حفظ ہوگئی ہو۔ آج جب میں پیچھے مڑکر دیکھتا ہوں تو



مجھے یقین ہوجاتا ہے کہ وہ واقعتاً اپنے وقت کے محدث تھے۔ اسی زمانے میں محدث روپڑی رحمہ اللہ نے مشکوٰۃ کی شرح لکھنا شروع کی۔ جس کا نام مظہر النکاۃ فی شرح المشکوۃ تھا۔ حافظ عبداللہ روپڑی لکھواتے تھے اور حافظ عبدالقادر لکھتے تھے۔ مغرب کے بعد یہ ان کا معمول تھا۔ اس شرح میں انھوں نے وہ وہ نکات ذکر کیے ہیں جو کسی دوسری شرح میں نہیں ہیں۔

محدث روپڑی مرحوم جب مشکوٰۃ کی شرح لکھواتے تو میں بھی پاس بیٹھ کر قلمبند کرلیا کرتا تھا۔ جتنا انھوں نے لکھوایا وہ میں نے بھی خود اپنے قلم سے تحریر کرلیا۔ حافظ صاحب کی بعض کتابیں قلمی تھیں جو میرے پاس محفوظ ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب تھی ''توحید الرحمن بجواب استمداد عبادالرحمن'' حافظ عبدالوہاب اور حافظ عبدالغفار میرے شاگرد ہیں، یہ کتاب میں نے شائع کروانے کے لیے ان کو دی تھی۔ انھوں نے یہ کتاب شائع کروادی ہے۔ توحید کے موضوع پر یہ بہت لاجواب کتاب ہے۔ حافظ صاحب کی قلمی کتاب مشکوٰۃ کی شرح بھی میں نے ان کو چھپوانے کے لیے دی تھی لیکن ابھی تک انھوں نے شائع نہیں کی۔

اسی طرح قرآن مجید کے پہلے پارے کی تفسیر بھی میں نے ان کے سپرد کی ہے تاکہ چھپوادیں جو ابھی تک معرض التوا میں ہے۔ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا.

ضیائے حدیث مسجد قدس میں حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ کے علاوہ آپ کے کون کون سے استاد تھے؟

حافظ صاحب حافظ عبداللہ مرحوم کے علاوہ مولانا عبدہ الفلاح مرحوم بھی میرے استاد تھے۔ موطا امام مالک اور جامع ترمذی کا کچھ حصہ، حجۃ اللہ البالغہ، مسلّم الثبوت اور دیگر کتابیں ان سے پڑھی ہیں۔ اس دوران یہ ہوا کہ مولانا عبدہٗ الفلاح رحمہ اللہ اوکاڑہ چلے گئے اور حافظ عبداللہ محدث مرحوم حج پر چلے گئے۔ اس وقت زیادہ تر لوگ بذریعہ بحری جہاز حج پر جاتے تھے، اس لیے کافی وقت لگ جاتا تھا۔ حافظ صاحب کے حج پر جانے کے بعد مولانا عبدہٗ الفلاح رحمہ اللہ نے مجھے کہا: ''آپ اوکاڑہ آجاؤ۔'' اس طرح چند ماہ میں اوکاڑہ رہا اور مولانا عبدہ کی علمی شخصیت سے بہت فائدہ اٹھایا۔ جب حافظ صاحب حج سے واپس آئے تو میں بھی مسجد قدس چلا آیا۔ واپس آکر تمام کتب کی حافظ صاحب سے تکمیل کی۔ حافظ صاحب بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ محدث بھی تھے، مبلغ بھی، مشفق استاد بھی تھے اور شیخ الحدیث بھی۔ انھوں نے اپنی زندگی قرآن و حدیث کی اشاعت کے لیے وقف کررکھی تھی۔ اشاعت حدیث کی طرف ان کی رغبت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ہم نے مشکوٰۃ کی تکمیل ان سے رات 8 بجے کی اور صحیح مسلم کی تکمیل مولانا مجیب الرحمٰن (جواب امریکہ میں ہیں) سے رات 12 بجے کی تھی، اس وقت گھڑیوں کا انتظام نہ تھا، نہ استاد تھکتے تھے، نہ پڑھنے والے تھکتے تھے۔ استاد بہت محنت اور جانفشانی سے پڑھایا کرتے تھے۔

اس کے بعد حافظ صاحب بیمار ہوگئے۔ پڑھانے میں مشکل پیش آنے لگی۔ ہماری فنون کی کچھ کتابیں رہتی تھیں۔

یہاں ایک دلچسپ بات یاد آئی، مولانا عبدالسلام کیلانی مرحوم بھی میرے ساتھ مسجد قدس میں زیر تعلیم تھے۔ وہ مجھ سے تقریباً دو سال پیچھے تھے۔ انھیں عبارت پڑھنے میں دقت پیش آتی تھی۔ حافظ صاحب ڈانٹتے تھے۔ ان کے ڈانٹنے کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ وہ بعض دفعہ کان پکڑ کر کھینچتے تھے۔ ایسا وہ شاذونادر ہی کرتے تھے۔ مولانا عبدالسلام کیلانی کو جب عبارت پڑھنے میں دقت پیش آتی تو انھیں بسا اوقات حافظ صاحب مرحوم سے ڈانٹ پڑ جاتی تھی۔ عبدالسلام کیلانی صاحب ایک دفعہ پریشان ہوگئے، میں نے ان سے کہا: ''آپ میرے ساتھ بیٹھا کریں میں آپ کو پڑھا دیا کروں گا۔'' اس طرح ان کی عبارت پختہ ہوگئی اور اس واقعہ سے میری ان سے دوستی بھی پختہ ہوگئی۔ میرا ان سے لگاؤ اس حد تک تھا کہ جب سالانہ چھٹیاں ہوتیں تو ہم چاندی کوٹ (مولانا عبدالسلام کیلانی مرحوم کے گاؤں) کی پرانی مسجد کی چھت پر بیٹھ کر درسی کتابیں پڑھتے اور یاد کیا کرتے تھے۔ یہ بہت خوبصورت دن تھے جنھیں میں ساری زندگی بھول نہیں سکتا۔ مولانا عبدالسلام کیلانی اور میرا آپس میں بہت پیار تھا۔ وہ میرے بہت اچھے ساتھی اور دوست تھے۔ زندگی کی آخری سانسوں تک میرا اور ان کا تعلق رہا۔ لیکن اب کیلانی صاحب کے بچے مجھ سے نہیں ملتے۔ ملنے کے لیے آنا تو دور کی



بات ہے فون پر بھی رابطہ نہیں کرتے۔ میں فون کرلوں تو کرلوں وہ نہیں کرتے۔

مولانا عبدالسلام میرے زندگی کے ایک ساتھی تھے جو ہمیشہ مجھے یاد رہیں گے۔ نہ انھوں نے مجھے بھلایا تھا اور نہ میں ان کو مرتے دم تک بھلا سکتا ہوں۔ مدینہ یونیورسٹی میں بھی ہم دونوں اکٹھے گئے تھے۔ جب مدینہ یونیورسٹی جانے لگے تو اس وقت مسجد قدس میں ایک تقریب ہوئی تھی جس میں محدث دوراں حافظ محمد گوندلوی، مولانا مودودی، مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانوی رحمہ اللہ اور دیگر بڑے بڑے علماء مدعو تھے جنھوں نے مدینہ یونیورسٹی میں ہمارے داخلے پر خوشی کا اظہار کیا اور ہماری کامیابی کے لیے دعائیں دیں۔

ضیائے حدیث مدینہ یونیورسٹی میں آپ کے داخلے کا سبب کیسے بنا؟

حافظ صاحب میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ

حافظ عبداللہ محدث روپڑی حج پر گئے تھے اس دوران مدینہ میں ان کی ملاقات شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ سے ہوئی۔ شیخ ابن باز حافظ صاحب کی علمی ثقاہت سے بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے حافظ صاحب کو فتح الباری جو اپنی تعلیقات کے ساتھ چھپوائی تھی، وہ پیش کی۔

حافظ صاحب نے فتح الباری کی تعلیقات پر فی البدیہ اور بہت جامع تبصرہ کیا جسے سن کر شیخ ابن باز بہت متاثر ہوئے۔ اس کے بعد حافظ صاحب کی ملاقات شیخ ابن باز کے استاد گرامی شیخ محمد بن ابراہیم سے بھی ہوئی۔ شیخ محمد بن ابراہیم کے ذریعے سے محدث روپڑی کی شاہ سعود، شاہ فیصل اور دیگر سعودی زعماء سے بھی ملاقاتیں ہوئیں۔ اس موقع پر حافظ صاحب مسجد قدس کے دو طلبہ کی مدینہ یونیورسٹی میں داخلے کی اجازت لے کر آئے تھے۔ ان طلبہ میں سے ایک میں تھا اور دوسرے مولانا عبدالسلام کیلانی تھے۔

ضیائے حدیث آپ نے پیچھے ذکر کیا تھا کہ جب حافظ صاحب بیمار ہوگئے تو اس وقت فنون کی کچھ کتابیں باقی رہ گئی تھیں، یہ فرمائیں کہ ان کتابوں کی تکمیل کیسے ہوئی؟

حافظ صاحب ہوا یہ کہ میں اور مولانا عبدالسلام کیلانی ہم دونوں نے حافظ محدث روپڑی صاحب سے بات کی اور ان کی اجازت سے نیلا گنبد لاہور میں دیوبندی احباب کے مدرسہ جامعہ مدنیہ داخل ہوگئے۔ ہم کتابیں پڑھ کر واپس آجایا کرتے تھے اور اشکالات حافظ صاحب سے حل کروایا کرتے تھے۔ اور جامعہ مدنیہ کے استاد مولانا کریم اللہ صاحب فنون کی کتب کے ماہر تھے۔ ان کا تعلق صوبہ خیبر پی کے سے تھا۔ ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ وہ بڑے ذوق شوق اور محبت سے ہمیں پڑھاتے تھے۔ ان سے ہم نے فقہ، اصول فقہ، وغیرہ پڑھیں۔ نیلا گنبد میں ہی ایک اور مدرسہ جامعہ رحیمیہ تھا، وہاں مولانا محبوب الٰہی سے فنون کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ نئی انارکلی کے سرے کی مسجد میں ایک مدرسہ تھا وہاں سے بھی فنون کی کتب پڑھیں۔ وہاں مختصر المعانی کے دروس میں مولانا احمد شاکر بھی ہمارے ساتھ تھے۔ مدینہ یونیورسٹی جانے سے پہلے ہی میری اور مولانا عبدالسلام کیلانی کی عربی زبان پر اچھی خاصی دسترس ہوگئی تھی۔ مسجد قدس میں ایک استاد مولانا قادر بخش عربی کے بہت بڑے ماہر تھے۔ عربی زبان ہم دونوں نے ان سے سیکھی تھی۔ مولانا قادر بخش نے عربی گرائمر کے متعلق اوجز القواعد کے نام سے ایک کتاب تیار کی تھی جس کی کتابت مولانا عبدالسلام نے کی تھی۔ یہ بہت عمدہ کتاب تھی۔ اس دور میں یہ کتاب چھپی بھی تھی بعد میں نایاب ہوگئی۔ میں نے اپنے استاد مولانا عبدالجبار ملک پوری صاحب سے فارسی زبان سیکھی تھی۔ مولانا قاری عبدالخالق مرحوم آف کراچی کے سسر مولانا راغب رحمانی کچھ عرصہ مسجد قدس میں رہے۔ تفسیر کی کچھ کتابیں ان سے پڑھی تھیں۔

ضیائے حدیث سفر مدینہ کے بارے میں آگاہ فرمائیں؟

حافظ صاحب اس وقت ہوائی جہازوں پر سفر بہت کم ہوتا تھا زیادہ تر سفر بحری جہاز کے ذریعے ہوتا تھا، ہمارا سفر ہوائی جہاز کے ذریعے تھا۔ میں اور مولانا عبدالسلام کیلانی بذریعہ ریل لاہور سے کراچی پہنچے۔

ہمارے ساتھ رہنمائی کے لیے مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی رحمہ اللہ تھے۔ وہ کراچی میں ایک ہفتہ ہمارے ساتھ رہے۔ جب ہم جہاز پر بیٹھ گئے تو وہ واپس آئے۔ اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ اس وقت کے اساتذہ اپنے شاگردوں سے کتنی محبت کرتے اور ان کا کتنا اکرام کرتے تھے۔ (بقیہ صفحہ: 61 پر)



محرم الحرام میں بدامنی کے اسباب اور قیام امن کے لیے تجاویز

حافظ محمد حق نواز
ریسرچ فیلو دارالسلام



محرم الحرام میں بدامنی اور انتشار کا آغاز

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلمانوں کے مابین اجتہادی نوعیت کا سیاسی اختلاف تو رہا ہے لیکن مذہبی اختلاف کا وجود تک نہ تھا۔ اس اختلاف کو وہ آپس میں کبار صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے مشورے سے حل کرلیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی سیاسی اختلاف پر لڑائیاں بھی ہوجایا کرتی تھیں۔ اس دوران شہادت کا رتبہ پانے والوں کو سب مل جل کر دفن بھی کرلیا کرتے تھے۔ عرصہ دراز تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ 351ھ میں معز الدولہ نے انتہائی غلیظ حرکت یہ کی کہ جامع مسجد بغداد کے دروازے پر سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازیبا جملے لکھوائے۔ علاوہ ازیں 353,352ھ میں معز الدولہ کے حکم پر 10 محرم کو شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے غم میں بازار بند کروادیے گئے۔ باقاعدہ مجالس کی شکل میں نوحہ اور ماتم کروایا گیا۔ جو مسلمان ایسے امور کو خلاف اسلام سمجھتے تھے ان کو بھی سرکاری طور پر اس کی تعمیل کا حکم دیا گیا لیکن انھوں نے ایسا نہ کیا جس کے نتیجے میں شیعہ اور سنیوں کے مابین بہت بڑی خونریزی ہوئی۔ اس کے بعد ہر سال یہ رسم ادا کی جانے لگی اور آج تک جاری ہے۔

محرم الحرام میں بدامنی کے اسباب

اسلامی معاشرے میں خلاف شرع کام کرنا مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکانے کا باعث بن سکتا ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''تم میں سے کوئی شخص اگر برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ، یعنی طاقت سے روکے، اگر ایسا نہیں کرسکتا تو اپنی زبان سے آگاہ کرے اور اگر ایسا بھی نہیں کرسکتا تو کم از کم دل میں اس کو ضرور برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔'' (صحیح مسلم: 49) محرم الحرام میں کیے جانے والے چند اعمال ایسے ہیں جن کا اسلام کے ساتھ سرے سے تعلق ہی نہیں اور یہی اعمال مسلمانوں کے جذبات مجروح کرتے ہیں۔ کمزور ایمان والے خاموشی سے گزر جاتے ہیں جبکہ مضبوط ایمان والے ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔ جب حالات کشیدہ ہوجاتے ہیں تو بدامنی پھیلانے والے گروہ بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ آیئے! بدامنی پھیلانے کے اسباب پر غور کرتے ہیں:

① شریعت میں میت پر سوگ کی مدت تین دن مقرر کی گئی ہے اس سے زیادہ سوگ جائز نہیں البتہ جس عورت کا خاوند فوت ہوجائے وہ اپنے خاوند کے لیے بطور سوگ چار ماہ دس دن تک زیب و زینت ترک کرے گی۔ (صحیح



البخاري: 1280)

یہ تو درست ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت پر انتہائی غم ہوتا ہے مگر غم کا اظہار شریعت کے دائرے میں رہ کر کرنا چاہیے۔ اور غم کے یہ آثار ہر وقت رہنے چاہئیں نہ کہ سال بعد چند دن۔ غم ایک فطری جذبہ ہے۔ یہ زمان ومکان کی پابندیوں کے بغیر جسم و جاں کو گھائل کرتا رہتا ہے۔ یہ کوئی کھیل یا ڈرامہ تو نہیں کہ جب دل کیا غم منالیا، آنسو بہالیے اور رو پیٹ لیا۔

اسلام نے ''نوحہ و ماتم'' کو جاہلیت کا شاخسانہ اور لعنت کا باعث قرار دیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے بڑی سختی سے اس سے براءت کا اظہار کیا ہے: ''وہ شخص ہم میں سے نہیں جس نے رخسار پیٹے، گریبان چاک کیا اور زمانہ جاہلیت کے سے بین کیے۔'' (صحيح البخاري: 1297، ومسند أحمد: 291/2)

② سانحۂ کربلا کو مبالغہ آمیز طریقے سے بیان کرنا اور اس کے پس منظر میں جلیل القدر صحابہ کرام کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنانا بھی معاشرے میں بدامنی پھیلانے کا بہت بڑا سبب ہے۔ کسی بھی شخص کی جلیل القدر ہستیوں کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا جائے گا تو اس کا لازمی نتیجہ انتشار کی صورت میں نکلے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امت کے دلوں کی دھڑکن ہیں اور وہ دین اسلام کے گواہ ہیں اور قرآن و حدیث کی جمع و تدوین اور روایت کرنے والے ہیں اس وجہ سے ان کے بارے میں نازیبا الفاظ ناقابل برداشت ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''میرے صحابہ کو طعن وتشنیع اور جرح وتنقید کا نشانہ نہ بناؤ۔ انھیں اللہ نے اتنا بلند مرتبہ عطا کیا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اگر احد پہاڑ کے برابر سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کردے تو وہ کسی صحابی کے خرچ کردہ ایک مُدّ (تقریباً آدھ کلو) بلکہ اس کے نصف کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔'' (صحيح البخاري: 3673)

③ عشرۂ محرم میں مجالس عزا اور محافل ماتم برپا کرنے کے لیے راستے بند کرکے عوام الناس کو پریشان کرنا، غیراللہ کے نام پر نذر و نیاز بانٹنا اور سبیلیں لگانا، چڑھاوے چڑھانا، تعزیے اور ذوالجناح کے جلوس نکالنا، انھیں قابل تعظیم سمجھنا، بچوں اور عورتوں کو گھوڑے کے نیچے سے گزارنا اور اس جیسے دیگر امور اگر کسی کے مذہب کا حصہ بھی ہوں تو انھیں مخصوص مقامات پر ہونا چاہیے۔

④ ایک گروہ نے 50 سالہ منصوبہ بنا کر اسے 5 حصوں میں تقسیم کیا اور عام لوگوں کو اپنے مخصوص نظریات میں پھنسانے کی کوشش کی۔ موجودہ صورت حال کے پیچھے ان کی خفیہ سرگرمیاں کام دکھا رہی ہیں۔ سفارت خانوں اور دیگر ذرائع سے یہ کام لیا جارہا ہے۔ علاوہ ازیں کئی شدت پسند تنظیمیں بھی پس پردہ متحرک ہیں۔ کمزور خاندانوں کے ذہین نوجوان ان کا شکار بن رہے ہیں۔ وہ ان کے تعلیمی اخراجات برداشت کرتے ہیں اور پھر ہر محکمے کے اہم عہدوں پر فائز کروا کر ان سے من پسند فیصلے کروا رہے ہیں۔ اس کے نتائج معاشرے میں ہم آئے روز دیکھ رہے ہیں کہ ہر جگہ بے انصافی ہورہی ہے۔ افسران بالا اپنے عقائد کے ساتھ مناسبت رکھنے والے افراد کو سرکاری روزگار فراہم کرکے نااہل افراد کو ترجیح دے رہے ہیں۔ جبکہ دوسرے لوگ اہلیت کے باوجود اپنے ساتھ ہونے والی بے انصافی کی وجہ سے دل برداشتہ ہوجاتے ہیں۔ نتیجتاً وہ باصلاحیت افراد ملک دشمنوں کے ہاتھ لگ جاتے ہیں۔

⑤ بدامنی پھیلانے میں میڈیا بہت پیش پیش ہے۔ اگرچہ میڈیا کے تمام اہلکار امن کا ڈھنڈورا ہی پیٹتے ہیں، مثلاً: ایک ہی طبقے کے افکار کو محرم کے دنوں میں بہت کوریج دینا حتی کہ یہ محسوس کرانا کہ پاکستان ایک طبقے کی ریاست ہے تو اس طرح دوسرے لوگوں کے جذبات بھڑکتے ہیں۔ اسی طرح میڈیا جس خبر کو چاہتا ہے بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے اور ایک گروہ کو دوسرے کے مقابل لاکر اختلافات کو ہوا دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی تازہ مثال 28 اکتوبر کے ایک ملکی اخبار کی خبر میں ملتی ہے۔ خبر یہ ہے: ''طالبان سے مذاکرات مسترد کرتے ہیں۔ دہشت گردوں کے خلاف ریاستی طاقت کا استعمال کیا جائے۔ پنجاب دہشت گردوں کی محفوظ پناہ گاہ بنا ہوا ہے۔ عزاداری روکنے کی سازش ناکام بنادیں گے۔'' کالم کی اس نمایاں سرخی کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے کہ آپس کے اختلافات کو ہوا دی جائے۔ ایک طرف یہ لوگ بھارت سے ''امن کی آشا'' کے خواہاں ہیں اور دوسری طرف پاکستانیوں کو ایک دوسرے کے خلاف ابھار رہے ہیں۔



⑥ 10,9 محرم کی چھٹی: سیدنا حسین رضی اللہ عنہ تمام مسلمانوں کے نزدیک انتہائی قابل قدر ہستی ہیں۔ پاکستان میں ان کی شہادت کے دنوں میں سرکاری چھٹیاں اگرچہ اس وجہ سے ہوتی ہیں کہ کوئی بدامنی نہ پھیلے اور دفاتر، سکول اور کاروباری مراکز میں پہنچنے والوں کو دقت نہ ہو مگر عام لوگوں کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بھی مظلومانہ شہادت تھی، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے تھے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے تو باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت پہ سرکاری چھٹی کیوں نہیں ہوتی۔ حکومت کو چاہیے کہ باقی شہادتوں پر بھی چھٹی دے یا یہ بھی بند کردے کیونکہ محرم کی چھٹیوں میں ایک خاص طبقے کی طرف میلان نظر آتا ہے اور یہ بھی بدامنی کا سبب بنتا ہے۔

محرم الحرام میں قیام امن کے لیے تجاویز

اسلام ایک پرامن مذہب ہے۔ اس کی تعلیمات بھی پرامن رہنے پر زور دیتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔'' (صحيح البخاري:10) ''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔'' (صحيح مسلم: 64) معلوم ہوا جب ایک عام مسلمان کو گالی دینے والا فاسق اور قتل کرنے والا کفریہ عمل کا مرتکب ہوتا ہے تو صحابۂ کرام جن کے بارے میں قرآن نے گواہی دی ہے کہ ''اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے ہیں۔'' (التوبة 100:9) انھیں گالیاں دینا اور انھیں طعن و تشنیع اور ملامت کا نشانہ بنانا کس قدر گھناؤنا جرم ہے؟ کم از کم ایک مسلمان، جس کا سارا دین ہی صحابہ کرام کے واسطے سے اس تک پہنچا ہے، سے اس غلیظ حرکت کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

اسلام نے لڑائی جھگڑا، دنگا فساد، قتل و غارت اور بدامنی پھیلانے سے منع کردیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا۔'' (المآئدة 32:5) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو خوف زدہ کرے۔'' (سنن أبي داود: 5004) یہ تو عام تعلیمات ہیں۔ حرمت والے مہینوں کا تقدس ملحوظ رکھنا تو ایک مسلمان کے لیے بہت ہی ضروری ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو، اور نہ حرمت والے مہینوں کی۔'' (المآئدة 2:5)

ہمارا تعلق ایک اسلامی مملکت سے ہے اس لیے ہماری یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہمارے معاشرے اور ہمارے ملک سے وابستہ ہر انسان خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، اقلیت میں ہو یا اکثریت میں، جیسا بھی ہو اگر وہ ہمارے ملک کا باشندہ ہے یا بطور مہمان ہماری اجازت سے رہ رہا ہے تو اسے بے خوف زندگی گزارنے کا حق دیا جائے۔ خود بھی پرامن رہیں اور دوسروں کو بھی پرامن ہی رہنے دیں۔ یہ ہمارا دینی اور اخلاقی فرض ہے، چنانچہ سارا پس منظر ذہن میں رکھتے ہوئے چند تجاویز پیش خدمت ہیں تاکہ ان تجاویز پر عمل کرکے امن کا قیام ممکن ہوسکے:

① تمام مکاتب فکر کا مشترکہ اجلاس

انتظامیہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ تمام مکاتب فکر کے سرکردہ اور ذمہ دار علماء، ذاکرین، جماعتوں اور تنظیموں کے سربراہان وغیرہ کا مشترکہ اجلاس بلائے۔ قیام امن کے لیے تمام سربراہان اور حکومتی نمائندے اپنی اپنی تجاویز پیش کریں۔ علماء اور ذاکرین ایک دوسرے کے مسلک اور جذبات کا لحاظ رکھ کر گفتگو کریں۔ تمام علماء اور ذاکرین باہم مل کر اس بات کا عہد کریں کہ مجالس میں، جلسے اور جلوسوں میں شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ و اہل بیت اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ قرآن وسنت پر مبنی تعلیمات کے مطابق مدلل انداز میں پیش کریں گے۔

② کشیدگی میں اضافے کا باعث بننے والے اسباب کا تدارک

محرم الحرام میں مجالس و خطابات اور یوم عاشوراء کے جلوسوں کے لیے وقت اور جگہ کا تعین پہلے سے طے شدہ ہوتا ہے۔ اسی کے مطابق انتظامیہ امن امان کو برقرار رکھنے کے لیے انتظامات ترتیب دیتی ہے لیکن چند لوگ



اپنی خواہشات کو جلا بخشنے کے لیے حدود و قیود میں تبدیلی کے خواہش مند ہوتے ہیں اور وہ اپنی بات ''اوپر'' سے منوالیتے ہیں جس بنا پر دوسرے مسلک کے حامل ان کی خواہشات کے راستے میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔اسی بناپر کشیدگی میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ لہٰذا مجالس عزا اور ماتمی جلوس کو چار دیواری تک محدود کرکے امن قائم کیا جاسکتا ہے۔

③تاجروں اور ٹرانسپورٹروں کے ساتھ میٹنگ

محرم الحرام میں بدامنی پھیلانے کا سب سے بڑا سبب تو ایک خاص گروہ کے غلط عقائد و نظریات ہیں جنھیں وہ پورے معاشرے میں رواج دینا چاہتے ہیں اور اس کے لیے ہر حربہ اختیار کرتے ہیں۔تشہیر کے لیے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کو استعمال کرنے کے علاوہ بسوں، ویگنوں اور رکشوں وغیرہ پر فلیکسز لگا کر اور پبلک ٹرانسپورٹ میں آڈیو اور ویڈیو کیسٹ چلا کر ان کی اشاعت کررہے ہوتے ہیں۔ سننے والوں میں 95 فیصد لوگ اس چیز کو پسند نہیں کرتے۔ علاوہ ازیں دکانوں، مارکیٹوں اور بازاروں میں بھی وال چاکنگ اور فلیکسز کے ذریعے اپنے نظریات کی تشہیر کرتے ہیں۔جن میں رقم شدہ تحریروں سے عوام الناس کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔لہٰذا انتظامیہ کو چاہیے کہ ٹرانسپورٹرز ایسوسی ایشنز کے سربراہان اور انجمن تاجران کے سربراہان کے ساتھ ایک میٹنگ رکھیں۔ میٹنگ میں ان سے وارننگ کے ساتھ حلفیہ بیان لیں کہ وہ ایسی آڈیو یا ویڈیو نہیں چلائیں گے جس سے کسی کے جذبات مجروح ہونے کا خدشہ ہو، ایسی تحریروں والے فلیکس یا اشتہارات و کیلنڈرز آویزاں نہیں کریں گے جن سے لوگوں کے جذبات بھڑک سکتے ہیں تاکہ قیام امن کے لیے ہم سب ایک دوسرے کے معاون بن سکیں۔

④معزز شہریوں اور دیہاتوں کے ذمہ داران سے میٹنگ

قیام امن کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ انتظامیہ کے افسران بالا معزز شہریوں اور دیہاتوں کے ذمہ داران کے ساتھ میٹنگ کرکے انھیں اعتماد میں لیں۔ پھر انھی کے اثر ورسوخ کے ذریعے عوام الناس میں ہم آہنگی پیدا کرنے اور فرقہ واریت کے تدارک کے لیے اپنا کردار ادا کریں تاکہ امن قائم ہوسکے۔

⑤رواداری، تحمل اور برداشت کا مظاہرہ کرنا

محرم الحرام بہت ہی مقدس و محترم مہینہ ہے۔ اس میں تو غیر مسلم بھی لڑائی جھگڑے، جنگ و جدل اور لوٹ مار سے احتراماً گریز کیا کرتے تھے۔مسلمانوں کے ہاتھوں غیر مسلم بھی محفوظ رہتے تھے بشرطیکہ انھوں نے مسلمانوں پر زبردستی جنگ مسلط نہ کی ہو۔

لہٰذا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام کے باہمی تعلقات رواداری، حسن سلوک اور عزت و احترام پر مبنی دلائل کو فروغ دیا جائے۔ لوگوں کو بتایا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت کو تسلیم کرکے انتہائی اہم ذمہ داریاں بھی انجام دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو اعتماد میں لیے بغیر کوئی فیصلہ صادر نہیں کرتے تھے۔ سیاسی اختلاف کو تحمل، رواداری اور برداشت کا مظاہرہ کرکے حل کرلیا کرتے تھے۔ مذہبی اختلاف کا سرے سے وجود ہی نہ تھا۔ ایک ہی امام کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔

آج امت مسلمہ پارہ پارہ ہوچکی ہے۔ سب کو تحمل و برداشت سے کام لینا چاہیے۔ جس طرح حج کے موقع پر اجتماعیت کا ثبوت دیتے ہیں اسی طرح اس حرمت والے مہینے میں بھی قرآن وسنت کی ہدایات کے مطابق زندگی گزار کر بدعات سے دور ہوکر اجتماعیت کا ثبوت دیں۔ گروہی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور حسین وعلی رضی اللہ عنہما کی سیرت کا مطالعہ ہمارے لیے قیام امن میں معاون ثابت ہوسکتا ہے۔

بین المذاہب ہم آہنگی اور اتحاد بین المسلمین کا دعویٰ؟

ہمارے ہاں بعض لوگ اس بات کے دعویدار ہیں کہ ہم تو قیام امن کے لیے بھرپور کوشش کررہے ہیں۔ بین المذاہب ہم آہنگی پیدا کرنے اور اتحاد بین المسلمین کے لیے مشترکہ اجلاس بھی بلاتے ہیں۔ آپس میں مل بیٹھ کر بلند بانگ دعوے بھی کرتے ہیں لیکن عملی طور پر امن قائم کرنے سے قاصر ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ کنویں میں کتا گر



کر مر چکا ہے۔ جب تک کتا نہیں نکالا جائے گا صاف پانی میسر نہیں ہوگا۔ لہٰذا جب تک دل کا گہرا کنواں تعصب کی گندگی سے صاف نہیں ہوگا لاکھوں اجلاس بھی قیام امن میں فائدہ نہیں دے سکتے۔

ملکی مفاد کے لیے ہم سب اس بات پر متفق ہیں کہ امن کا قیام ہی ہمارے لیے ترقی کا ضامن ہوسکتا ہے۔ اس لیے بین المذاہب ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے اور اتحاد بین المسلمین کے لیے ہمیں اجلاس بلانے کے ساتھ ساتھ عملی طور پر خلوص نیت سے کوئی قدم اٹھانا چاہیے۔ ہر ایک کو مذہبی آزادی ملنی چاہیے لیکن وہ اپنی چار دیواری تک ہی محدود ہو۔ دوسروں کے عقائد ونظریات اور شخصیات کو تنقید کا نشانہ نہ بنایا جائے بلکہ قرآن وسنت کو بیان کر کے اپنے آپ کی بھی اور دوسروں کی بھی اصلاح کی جائے اور سب کو قرآن وسنت کی اتباع کی ترغیب دی جائے۔ کیونکہ حقیقت میں یہی وہ واحد نقطۂ اتحاد ہے جس پر سب کا اتفاق واتحاد ممکن ہے۔ اور اسی نقطہ پر متفق ہونے کی صورت ہی میں امن قائم ہوسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''میں تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ وہ دو چیزیں ہیں: ① قرآن مجید ② حدیث رسول۔'' (موطأ إمام مالك: 899/2)

لمحۂ فکریہ!

شیعہ سنی فسادات کے پس منظر میں چند امور ایسے ہیں جن کا حقیقت حال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حالات وواقعات کا بغور جائزہ لینے سے ان کا لغو ہونا ثابت ہوسکتا ہے بشرطیکہ تعصب کی چادر اتار لی جائے۔ چند قابل غور امور پیش کیے جارہے ہیں فیصلہ آپ پر ہے:

① شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے کہ امام معصوم ہوتا ہے۔ دوسری طرف یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب (امام معصوم) نے اپنی بیٹی (حسن وحسین کی حقیقی بہن) کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کردیا تھا جبکہ شیعہ کے نزدیک عمر رضی اللہ عنہ کافر ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: (الكافي في الفروع: 115/6) تو کیا امام معصوم نے اپنی بیٹی کا نکاح ایک کافر سے کردیا؟ معلوم ہوا کہ یا تو حضرت علی معصوم نہیں تھے یا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کافر نہیں تھے۔

② جب ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کافر تھے تو امام معصوم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی خلافت تسلیم کر کے بیعت کیوں کی اور بغاوت کیوں نہ کی؟ اگر حضرت علی معصوم تھے تو پھر شیعہ حضرات کو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے خلاف نازیبا الفاظ منہ سے نہیں نکالنے چاہییں ورنہ امام معصوم کی نافرمانی لازم آئے گی۔

③ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے متعدد خواتین سے شادی کی اور اولاد بھی ہوئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے نام ابوبکر وعمر وعثمان رکھے۔ بھلا کوئی اپنے ہی جگر گوشوں کے نام دشمنوں کے ناموں پر رکھتا ہے؟

④ شیعہ کے نزدیک امامت فرض ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خلافت سے استعفیٰ دیتے ہوئے فرمایا: ''مجھے چھوڑ دو کسی اور کو خلیفہ بنالو۔'' (نهج البلاغة، ص: 136) امام معصوم اتنے اہم فریضے کو کیوں چھوڑ رہے ہیں؟

⑤ حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا، حیدر کرار ہیں۔ مگر بقول شیعہ ان کی بیوی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خلافت ابوبکر میں توہین آمیز سلوک کیا گیا، حمل ضائع ہوگیا، ان کی پسلیاں توڑ دی گئیں جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں، تو کیا اس دور کے بہادر ترین انسان اپنی بیوی پر ظلم وستم ہوتے دیکھ کر خاموش رہے؟ اپنی بیوی پر ہونے والے ظلم کا بدلہ بھی نہ لے سکے؟

⑥ کبار صحابہ کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنانے والے سوچیں کہ ان صحابہ کرام نے اپنے دور میں اہل بیت کے ساتھ رشتے استوار کیے پھر کئی نسلوں تک انھیں برقرار رکھا ہے۔ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیٹیوں کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا امہات المؤمنین بن گئیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یکے بعد دیگرے اپنی دو بیٹیوں کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے ''ابان'' کی شادی جعفر بن ابی طالب کی پوتی ''ام کلثوم'' سے کی۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے پوتے کی شادی حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی پوتی سے کی۔ کبار صحابہ کرام کا اہل بیت کے ساتھ یہ تعلق اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے مابین اختلاف نہ تھا۔

❁❁❁❁



احتشام ارشد نظامی (شکاگو)

چند گھنٹے ہوسٹن کی جیل میں

امریکی جیل کی کوٹھڑیوں میں ایمان کی شمعیں

پچھلے دورۂ ہوسٹن کے دوران مجھے وہاں جیل جانا پڑا۔ جی ہاں! جیل جہاں سنگین جرائم کے مرتکب لوگ بھیجے جاتے ہیں۔ اپنی زندگی میں زمانہ طالب علمی میں ایک دفعہ چند گھنٹوں کے لیے حوالات جانے کا اتفاق ہوا تھا، مگر ساتھی طالب علموں کی شدید مزاحمت پر آگے کی نوبت نہیں آئی اور حوالات ہی سے رہا ہوگیا۔ ہوا یوں کہ سابق مشرقی پاکستان سے آئے ہوئے چند طالب علموں کو میڈیکل کالج میں داخلے نہیں مل رہے تھے اور وہ کراچی کے مرکزی علاقے میں مظاہرے کررہے تھے۔ میں اس زمانے کے طالب علم رہنماؤں شفیع نقی جامعی، حسین حقانی اور حامد ذکی کے ہمراہ وزیر صحت سے ان کے گھر پر ملنے گیا۔ کامیاب مذاکرات کے بعد طلبائے مظاہرین سے مظاہرہ ختم کرنے کی اپیل کرنے گیا۔ وہاں پولیس لاٹھی چارج کرتے ہوئے انھیں گرفتار کررہی تھی۔ میں پولیس کو سمجھانے گیا تو انھوں نے دیگر کے ہمراہ مجھے بھی گرفتار کرکے حوالات میں بند کردیا، مگر چند گھنٹوں بعد وزیر صحت کا فون آیا اور میں رہا کردیا گیا۔ خیر تو میں ذکر کررہا تھا امریکا کے شہر ہوسٹن کی جیل کا۔ میرے کالج کے زمانے کے دوست حافظ عبدالوحید اب ایک دینی اسکالر ہیں اور ہوسٹن میں مقیم ہیں۔ وہ اکثر جمعہ کی نماز پڑھانے اور خطبہ دینے جمعہ کے دن جیل جایا کرتے ہیں۔ میں چونکہ جمعہ کو ہی ہوسٹن پہنچا تھا، اس لیے وہ مجھے اس دن نہ لے جاسکے، مگر میرے شدید تجسس کو دیکھ کر انھوں نے جیل حکام سے اتوار کے دن خصوصی اجازت لی اور میں خصوصی رضاکار کے طور پر وحید کے ہمراہ جیل کے اندر گیا۔ زبردست سکیورٹی کا سامنا کرنا پڑا۔ پرس سمیت کوئی بھی شے اندر لے جانے کی ممانعت تھی۔ شناخت کے طور پر صرف اپنا ڈرائیونگ لائسنس اپنے ساتھ رکھنا تھا۔ اندر تک پہنچنے کے لیے کئی آہنی دروازوں سے گزرنا پڑا۔ ہر جگہ خود رجسٹر میں اندراج کرنا ہوتا تھا۔ ایک دروازے سے دوسرے دروازے تک ایک پہرے دار ہمیں اسکارٹ کرتا تھا۔ آخر میں ہم ایک بڑے ہال کے دروازے پر پہنچے جو ایک عبادت گاہ تھی۔ وہاں سفید کپڑوں میں پچیس تیس قیدی ہمارے منتظر تھے۔ ہر ایک نے باری باری مصافحہ کیا اور اپنا نام بتایا۔ سب کے سب مسلمان تھے۔ دو یا تین کے علاوہ سب جیل کے اندر ہی مسلمان ہوئے تھے، کوئی دو سال قبل تو کوئی ایک سال قبل، سارے قیدی وحید سے بہت احترام سے مل رہے تھے۔ سب قیدی نوجوان تھے۔ تین یا چار کے علاوہ سب افریقن امریکی تھے۔ ساڑھے بارہ بجے سے ڈیڑھ بجے تک کا وقت لیکچر کا تھا، جس کے بعد ظہر کی نماز ہونی تھی۔ میں اس خیال سے قیدیوں کے ساتھ ہی کرسی پر بیٹھ گیا کہ وحید کا لیکچر سنوں گا۔ وحید سے پہلے ایک قیدی نے تلاوت کی اور وحید کو ڈائس پر آنے کی دعوت دی۔ وحید نے آتے ہی اعلان کیا کہ آج ان کی جگہ میں لیکچر دوں گا۔ یہ کہتے ہوئے انھوں نے ایک بینکار، ایک کالم نگار اور ایک صحافی کی حیثیت سے میرا تعارف



کروایا۔ میں اس کے لیے بالکل تیار نہیں تھا، مگر کیا کرتا۔ ایک لمحے کے لیے سوچا اور ان سے ایک عام مسلمان کی حیثیت سے مخاطب ہوا۔ یہ سوچ کر کہ یہ لوگ ابھی ابھی جیل میں ہی مسلمان ہوئے ہیں اور انھیں باہر کے مسلمانوں سے واسطہ نہیں پڑا ہے۔ ان سے گفتگو کرنے لگا۔ میرے ذہن میں یہ بات بھی تھی کہ جب کبھی یہ رہا ہوں گے، واپس اپنی دنیا میں جائیں گے۔ اگر انھیں اسلامی ماحول نہ ملا اور مزید تربیت کے مواقع میسر نہ آئے تو خدانخواستہ ان کی کفر کی جانب واپسی بھی ہوسکتی ہے۔ اگر ایسا ہوا تو ذمے داری کس کی ہوگی؟ میں نے یہ بھی سوچا کہ جب یہ جیل سے باہر کی دنیا میں قدم رکھیں گے اور یہ مسلمانوں کی بدنظمی دیکھیں گے، مسلمانوں کی آپس کی لڑائی دیکھیں گے، عام مسلمانوں کو نمازیں نہ پڑھتے ہوئے دیکھیں گے۔ جھوٹ بولتے، غیبت کرتے، ایک دوسرے کو دھوکا دیتے ہوئے دیکھیں گے تو کیا یہ اپنے مسلمان ہونے پر پچھتائیں گے تو نہیں؟ میں نے ان سے کہا کہ اسلام رواداری سکھاتا ہے، بھائی چارگی سکھاتا ہے، نرمی سکھاتا ہے، محبت سکھاتا ہے، رحم سکھاتا ہے، مل جل کر رہنا سکھاتا ہے، علم کی ترغیب دیتا ہے، مگر کیا مسلمان ان سب باتوں پر عمل کررہے ہیں؟ نہیں کررہے، جب ہی تو پریشان حال ہیں اور بکھرے ہوئے ہیں۔ میں نے اپنی اور وحید کی مثال دی کہ ہم دونوں کے آبائی علاقے مختلف تھے۔ ہم دونوں کی زبانیں مختلف تھیں، مگر ہم دونوں قریبی دوست تھے اور وہ رشتہ مسلم برادر کا ہے۔ دورانِ خطاب ایک قیدی نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں آج سے پہلے کسی جیل میں گیا۔ میرے ''نہیں'' والے جواب پر اس نے پوچھا کہ آج میں کیسا محسوس کررہا ہوں؟ اس کا جواب میں نے دیا کہ برسوں گھر سے دور رہنے کے بعد جب ایک شخص اپنے گھر آکر اپنے سگے بھائیوں سے ملتا ہے اور جو اس کے جذبات اس وقت ہوتے ہیں، میرے بھی آج آپ سے مل کر وہی جذبات ہیں۔ میرے اس جواب پر میں نے دو ایک قیدیوں کی آنکھوں میں آنسو بھی دیکھے۔ وہاں بیٹھے ہر قیدی کے ہاتھوں میں قرآن پاک کا نسخہ اور دو ایک رسائل بھی تھے۔ سوالات کے وقفے کے دوران اکثر قیدیوں نے سیاست اور معیشت کے بارے میں بھی سوالات کیے۔ انھوں نے میری تحریروں کے بارے میں بھی پوچھا۔ انھوں نے امریکا کی مسلم ممالک کے بارے میں پالیسی پر بھی سوالات کیے۔ انھوں نے یہ بھی پوچھا کہ امریکی ڈالر کا چین سے کیا موازنہ ہے اور یورو کی کیا قدر ہے۔ انھوں نے امریکی وفاقی حکومت کے شٹ ڈاؤن کے بارے میں بھی سوالات کیے۔ ان کے سوالات سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ جیل میں وقت ملنے پر مطالعہ بھی کرتے ہیں اور یہ کہ انھیں دینی سرگرمیوں کی قانون کے مطابق مکمل آزادی ہے۔ ان کے لیے مطالعے کا، ٹی وی دیکھنے کا اور ورزش کرنے کا وقت مختص ہے۔ جیل انتظامیہ کے ایک اہلکار نے ہمیں بتایا کہ وہ آئندہ بقرعید کے موقع پر ان کے لیے گائے کے گوشت کا انتظام کرے گا۔ وحید نے مجھے بعد میں بتایا کہ جیل میں منظور شدہ ادارے دینی کتابیں پہنچاتے ہیں۔ وہاں ان کی دینی تعلیم کا بھی انتظام ہوتا ہے، جو مسلمان ہوتے ہیں، وہ دوسرے قیدیوں کو بتاتے ہیں، پھر ان سے کوئی نہ کوئی تعلیم میں جاتا ہے۔ لیکچرز سنتا اور قرآن اور دیگر کتب کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس طرح وہ ایمان لے آتے ہیں۔ یہ سب کچھ دیکھ اور سن کر میں سوچنے لگا کہ ایک امریکا کی جیل ہے، جہاں قیدیوں کو کس طرح رکھا جاتا اور ان سے کس طرح کا انسانی سلوک کیا جاتا ہے اور ایک پاکستان کی جیلیں ہیں، جہاں انسانوں کے ساتھ وہ بھیانک سلوک ہوتا ہے کہ الامان الحفیظ۔ مجھے معلوم ہے کہ وہاں رشوت نہ دینے والے قیدیوں کے ساتھ کیسا ظالمانہ سلوک ہوتا ہے۔ اتنی بربریت کے بعد جب پاکستانی قیدی رہا ہوتا ہے تو وہ ایک پکا مجرم بن کر نکلتا ہے۔

جب میں ہوسٹن کی اس جیل سے ان کے ساتھ وحید کی امامت میں ظہر کی نماز پڑھ کر نکل رہا تھا تو ہر قیدی باری باری مجھ سے گلے مل رہا تھا، بلکہ مجھے حیرت کی انتہا نہ رہی جب ایک قیدی میرے جوتے لے کر میرے پاس آیا۔ میں ان سب کی بھائی چارگی اور محبت کو کبھی فراموش نہیں کرسکوں گا۔ میری دعا ہے کہ جب وہ جیل سے نکلیں تو پھر جرائم کی اس دنیا میں کبھی واپس نہ جائیں۔ ایک پکے اور سچے مسلمان کی طرح اپنی بقیہ زندگی گزاریں (آمین)۔

(بشکریہ روزنامہ جہانِ پاکستان کراچی)

❁❁❁❁



تہذیبوں کا تصادم
اصل حقائق

ابو ولید ملک

اگرچہ مسلمانوں اور یہودیوں کی دشمنی تو بہت پرانی ہے جس کا آغاز محسن انسانیت حضرت محمد ﷺ کو قتل کرنے کی ناکام کوشش سے ہوا۔ یہود کی اس دشمنی کو آج سے چودہ سو سال قبل اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے ماننے والوں کے لیے آشکارا کر دیا تھا: ''یقیناً آپ ایمان والوں کے سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے۔'' (المآئدۃ 82:5) اپنی شیطانی حرکتوں کی وجہ سے آخرکار ان کو مدینہ سے ذلیل و خوار ہو کر نکلنا پڑا۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد ان کے دلوں میں اسلام و مسلمانوں کے خلاف بغض و عداوت میں مسلسل اضافہ ہوتا گیا، جس کی آگ میں وہ جلتے رہے اور چودہ سو سال سے انھوں نے مسلمانوں کو زک پہنچانے اور صفحۂ ہستی سے مٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

1897ء کی بات ہے جب دنیائے یہودیت نے یہ فیصلہ کیا کہ موجودہ فلسطین میں ایک صہیونی ریاست کا قیام ضروری ہو گیا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوا کہ ان کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ خلافتِ عثمانیہ تھی۔ اور یہودی اس وقت تک اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے، جب تک خلافت عثمانیہ کی قبا چاک نہیں کر لیتے۔ اس سلسلے میں بعد میں یہودیوں نے تاریخ انسانی کے سب سے بڑے جھوٹ ہولوکاسٹ HOLOCAUST کا بھی سہارا لیا۔

19 ویں صدی کے اواخر میں تین براعظموں پر پھیلی ہوئی خلافت عثمانیہ بے حد کمزور ہو چکی تھی اور اس کی مالی حالت بھی خستگی کا شکار تھی کہ اس دوران میں ایک ترک یہودی قرہ صوہ آفندی کی قیادت میں ایک وفد خلیفۂ وقت سلطان عبدالحمید ثانی سے ملاقات کرتا ہے اور کہتا ہے: ''اگر آپ بیت المقدس اور فلسطین ہمیں دے دیں تو ہم خلافت عثمانیہ کا سارا قرضہ اتار دیں گے اور مزید کئی ٹن سونا بھی دیں گے۔'' زیرک خلیفہ نے یہودیوں کے مکروہ عزائم کو بھانپ کر اور دینی حمیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسا جواب دیا، جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کر



سکتی۔ خلیفہ نے اپنے پاؤں کی انگلی سے زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''اگر تم اپنی ساری دولت بھی دے دو اور بیت المقدس کی ذرا سی مٹی بھی مانگو گے تو ہم نہیں دیں گے۔'' بس پھر کیا تھا خلافت عثمانیہ کے خلاف یہودی سازشوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ عیسائی حکومتیں پہلے ہی خلافت عثمانیہ سے خار کھائے بیٹھی تھیں۔ ان کی فوجی طاقت اور یہودیوں کی خفیہ سازشوں سے عالم اسلام کی مرکزیت کو ختم کرنے کا بھیانک منصوبہ تیار کر لیا گیا۔

پہلی عالمی جنگ کا سلسلہ جو 1914ء سے لے کر 1918ء تک محیط تھا، جرمنی اور ترکی کی شکست پر ختم ہوا۔ جنگ کے خاتمے کے بعد ترکی میں اسلام پسند قوتوں کا بتدریج زوال شروع ہوا، تو دوسری جانب یہودیوں کے ایجنٹ مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں دہریوں کا اثر و رسوخ بڑھتا گیا جس کا نتیجہ مارچ 1923ء میں خلافتِ عثمانیہ کے خاتمہ کی شکل میں نکلا۔ اس سے پہلے اسلامی تاریخ کا ایک کربناک واقعہ یہ بھی ہے کہ 1909ء میں جو شخص عبدالحمید ثانی کی معزولی کا پروانہ لے کر خلیفہ کے پاس گیا تھا وہ کوئی اور نہیں، بلکہ وہی یہودی قرہ صوہ آفندی ہی تھا جو مصطفیٰ کمال پاشا اور دیگر ''ینگ ٹرکس'' کی نمایندگی کر رہا تھا جبکہ خود کمال پاشا بھی یہودی النسل تھا۔ اس کی ماں یہودن تھی۔ خلافتِ عثمانیہ کے خلاف سازشوں کو پروان چڑھانے کے لیے فری میسن (FREEMASON) کے پلیٹ فارم کو استعمال کیا گیا، اسی تنظیم کے ہاتھوں خلافت عثمانیہ کا شیرازہ بکھیرا گیا۔ ''فری میسن'' تحریک دراصل یہودیوں کے دماغ کی اختراع ہے بلکہ یہ خالصتاً یہودی تنظیم ہے جس کی بنیاد سب سے پہلے 1717ء میں برطانیہ میں رکھی گئی۔ اس میں خاص طور پر ایسے لوگوں کو شامل کیا جاتا ہے جو اپنے اپنے مذہب سے بیزار ہوتے ہیں۔ یہ عام طور پر ملک کے آزاد خیال افسران، بڑی بڑی غیر ملکی کمپنیوں کے مالکان اور اعلیٰ عہدیداروں کو رکن بنانے میں زیادہ دلچسپی لیتی ہے۔ تقریباً ہر ملک میں ان کے مراکز ہیں جن کو ''لاج'' کہا جاتا ہے۔

خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کے بعد کمال پاشا کی قیادت میں اسلام پسندوں پر مظالم کی انتہا کر دی گئی، علماء کا سرعام قتل عام کیا گیا، نمازوں کی ادائیگی گردن زدنی ٹھہری، آزاد دینی مدارس اور تمام اسلامی رسومات پر پابندی لگا دی گئی۔ عربی زبان میں خطبہ اور اذان بند کر دی گئی۔ اسلامی لباس اتروا کر عوام کو یورپی کپڑے پہننے پر مجبور کیا گیا۔ یورپی منڈیوں میں خواتین کے مقابلہ حسن میں حصہ لے کر امت مسلمہ کی عزت کا جنازہ نکالا گیا۔ الغرض یہودیوں نے خلافتِ عثمانیہ کو پارہ پارہ کرنے کے بعد ترکی میں اسلامی تشخص کو ختم کرنے کے لیے مصطفیٰ کمال پاشا سے وہ مقاصد حاصل کیے جس کو وہ ترکی پر قبضہ کر کے بھی حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ مغرب کے خود ساختہ دجالی ادارے اقوام متحدہ (UNO) کی منظوری سے آخر کار 15 مئی 1948ء کو پرامن کرۂ ارض پر دنیا کی سب سے بڑی دہشت گرد و ناجائز صہیونی ریاست (اسرائیل) معرض وجود میں آ گئی جو اس وقت دنیا بھر کے پرامن لوگوں بلکہ خود امریکی عوام کے لیے بھی سب سے بڑا خطرہ بن چکی ہے اور جس نے اسلام دشمنی میں پوری دنیا کی سلامتی کو خطرے سے دوچار کر دیا ہے۔ یہ ایک الگ موضوع ہے کہ اس سلسلہ میں استعماری و طاغوتی طاقتوں امریکا، روس، برطانیہ اور فرانس کا کیا کردار تھا۔ اب یہی طاقتیں شام میں مکروہ کھیل، کھیل رہی ہیں۔

امریکا اور روس کے درمیان ہونے والے سمجھوتے کے بعد شام کے نصیری علوی حکمران بشار الاسد کا مسلمانوں پر ظلم و ستم کا ہاتھ دراز ہوتا جا رہا ہے۔ مذہبی تعصب اور غرور سے لبریز علوی حکومت نے شامی بے کس و بے سہارا عوام کو باغیوں کا نام دے کر ان کے خلاف کھل کر قتل و غارت جاری رکھی ہوئی ہے۔ ''وطن نیوز'' کی رپورٹ کے مطابق بشار کے قبیلے کے افراد اور اس کی حمایت کرنے والے ممالک کے باشندے بڑے بڑے گروپوں میں شام پہنچ گئے ہیں۔ صرف 23 روز میں 22 سو مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ شام میں زخمیوں کا علاج کرنے والے ایک برطانوی سرجن ڈیوڈ ناٹ (DAVID KNOTT) نے کہا ہے کہ شامی فوج کے نشانہ باز جان بوجھ کر حاملہ خواتین کو بے دردی سے نشانہ بناتے ہیں۔ شام جو کبھی اسلامی تہذیب و تمدن کا گہوارہ، ہزاروں علماء و محدثین اور فقہاء و مفکرین کا مرکز سمجھا جاتا تھا، جو آنے والے وقت میں اسلام



کی فتوحات کا مرکز ہوگا، ان شاء اللہ۔ آج کل علوی خاندان کے ہاتھوں ماتم کناں ہے اور پوری دنیا میں اس کو لگام ڈالنے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں جبکہ وہاں کے مسلمان ایران و روس کے حمایتی حکمران بشار کے فرعونی محاصرے کے سبب مردار جانوروں کا گوشت کھانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ بے گناہ شامی مسلمانوں کی حمایت میں حق کا ساتھ دینے پر دمشق کے جنوب میں واقع فلسطینی مہاجروں کا ''یرموک کیمپ'' گزشتہ تین ماہ سے علوی فورسز اور ان کی حامی ملیشیا کے محاصرہ میں ہے۔ کیمپ کے اندر کسی قسم کی اشیائے خورونوش لے جانے پر سختی سے پابندی ہے جس کے باعث مفلوک الحال مسلمان مکروہ جانوروں حتی کہ بلیوں، گدھوں اور کتوں کے گوشت سے پیٹ کا ایندھن بھرنے اور سیوریج کا پانی پینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ اسی کیمپ کے ایک باسی نے عرب ذرائع ابلاغ کو بتایا کہ ''گزشتہ روز میں نے تین کتے ذبح کیے تاکہ اہل کیمپ کی بھوک مٹانے میں ان کی مدد کر سکوں۔'' اسی طرح BBC کی ایک رپورٹ کے مطابق کیمپ میں مقیم ایک گیارہ سالہ لڑکے نے کہا کہ اس نے اپنے کئی دوستوں کو بھوک سے مرتے ہوئے دیکھا ہے۔ بچے نے روتے ہوئے مزید کہا کہ اگر حکومت ہم پر کیمیائی ہتھیاروں سے حملہ کرنا چاہتی ہے تو کرے لیکن ان میں روٹی کی خوشبو ہو تاکہ ہم خوشی خوشی مر جائیں۔ وہاں کے علماء کو عید الاضحیٰ کے روز یہ فتویٰ دینا پڑا کہ اپنی جانیں بچانے کے لیے اضطرار کی حالت میں بلی، کتے اور گدھے کا گوشت کھانے کی اسلام اجازت دیتا ہے۔ اس فتوے کے بعد اہل یرموک اب آوارہ پھرنے والے ایسے مکروہ جانوروں کی تلاش میں رہتے ہیں کیونکہ ان کے پاس زندگیاں بچانے کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ حرام جانوروں کا گوشت کھانے سے جلدی السر، جلدی مرض پیرا سائٹ، پولیو، ٹائیفائیڈ اور ہیپاٹائٹس جیسے موذی مرض پھوٹ چکے ہیں جس سے ایک بڑا انسانی المیہ جنم لے سکتا ہے۔ اس سے قبل علوی فورسز کہہ چکی ہیں کہ جب تک زیر تسلط علاقوں میں مزاحمت کار ہتھیار نہیں ڈالیں گے اس وقت تک ان علاقوں میں خوراک کی رسائی نہیں دی جائے گی ان بے گناہ مسلمانوں کو محفوظ مقامات کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت بھی نہیں دی جا رہی ہے۔ یہ بدقسمت کیمپ مسلسل ابتلاء کا شکار ہے اور بشار کی علوی فورسز کئی بار کیمپ میں گھس کر وحشیانہ قتل عام بھی کر چکی ہیں۔ اس کے علاوہ چھاپے، پکڑ دھکڑ اور تشدد اہل کیمپ کی قسمت ٹھہری ہے۔ اس سے قبل یہ شیطانی کام ناجائز صہیونی ریاست (اسرائیل) نے 2007ء میں غزہ کے محاصرہ کے دوران کیا تھا جب وہاں کے مسلمان بلیوں کا گوشت کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اب ان کا ایجنٹ ''جناب بشار الاسد'' اپنے حمایتیوں کی مدد سے بھوک اور ننگ سے لاچار مسلمانوں کے خلاف وہی فریضہ سرانجام دے رہا ہے۔

اس سے بڑی اسلام دشمنی اور کیا ہو سکتی ہے کہ محض اپنے اقتدار کو دوام دینے اور استعماری و طاغوتی طاقتوں کے مفادات کی چوکیداری میں بے گناہ مسلمان مرد و خواتین اور معصوم بچوں کو زندہ درگور کر دیا جائے اور وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائیں۔ اس سے بڑی انسانیت کی اور کیا تذلیل ہو سکتی ہے؟ ٹُھیری درندوں اور صہیونی شیطانی ذہنوں کا یہ ملاپ عالم اسلام کو بہت نقصان پہنچا رہا ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ علوی حکومت نے کیمیائی ہتھیاروں کی تلفی کے لیے تو ایک سال کی مہلت مانگی ہے، لیکن افسوس صد افسوس بے گناہ شامی مسلمان عوام پر ظلم و ستم روکنے کی ہامی نہیں بھری۔ درحقیقت امریکہ اور روس کے درمیان شام کے کیمیائی ہتھیاروں کی تلفی کے لیے معاہدے سے اب شامی صدر بشار کے خلاف فوجی کارروائی کا امکان ختم ہو چکا ہے جس کو دنیا کے اکثر دانشور اور رائے عامہ سمجھنے سے قاصر ہیں۔ یہ ہے امریکہ کا اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے دوغلا پن اور منافقانہ پالیسی جس سے آج مملکت اسلامیہ السعودیہ العربیہ بھی اپنی پالیسی کا ازسرنو جائزہ لینے پر مجبور ہو گئی ہے۔ اس نے دجالی ادارے UNO کی سلامتی کونسل کی دو سال کے لیے غیر مستقل رکنیت ٹھکرا دی ہے اور کہا ہے کہ یہ ادارہ مسلمانوں کے مسائل اور تنازعات حل کرنے میں بری طرح ناکام رہا ہے۔ دوسری جانب امریکا شام میں آزاد شامی فوج (FSA) اور اسلامی جنگجوؤں کی بڑھتی ہوئی قوت سے خوف زدہ ہو کر ان کے لیے جاری فنڈنگ کو روکنا چاہتا ہے اور ساتھ ساتھ ان کے خلاف ایک سخت قسم کا کریک ڈاؤن کرنا چاہتا

ہے۔لیکن خلیج کی اہم ریاستیں امریکہ کے راستے کی رکاوٹ بن گئیں۔جس سے امریکی یہودیوں کے مفادات کو علاقے میں ایک شدید جھٹکا لگا اور امریکہ نے اپنی روایتی منافقانہ روش اختیار کرتے ہوئے ایران سے تعلقات استوار کرنا شروع کر دیے، حالانکہ اس سے قبل امریکہ اور یہودی لابی دنیا میں ایران کو برائی کا سب سے بڑا محور گردانتے تھے۔ دراصل الشباب کے مجاہدین صومالیہ میں ایک اسلامی ریاست کے قیام کے لیے کوشاں ہیں اور یہی کام ابلیس کے ماننے والوں کے لیے سوہانِ روح بنا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ افریقہ میں الشباب کے خلاف ایک بڑی کارروائی پر مُصِر ہے۔ اس سے قبل امریکہ نے 6 اکتوبر کو کارروائی کی لیکن اس کو ایک عبرتناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ امریکی زخمی حالت میں اپنا اسلحہ پھینک کر ایسے بھاگے جیسے جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو شہر کی طرف بھاگتا ہے۔

ادھر برطانیہ میں مسلمانوں میں الشباب کا خوف پیدا کر کے ان کو ان سے بدظن کیا جارہا ہے اور اس طرح ان کی ہمدردی حاصل کی جارہی ہے۔مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے اس جنگ کو دہشت گردی کا نام دیا گیا جواب آہستہ آہستہ دو نظریوں کے تصادم کی شکل لے رہی ہے۔اس کے بانی کوئی اور نہیں صرف اور صرف یہودی ہیں۔ امریکی یہودی لابی کے لیے افغان طالبان کے ساتھ مذاکرات کے دوران ان کی تمام شرائط ① تمام طالبان قیدیوں کی گوانتاناموبگرام اور دیگر جیلوں سے رہائی ②طالبان کو افغانستان کا بنیادی فریق تسلیم کرنا ③ اقوام متحدہ کی پابندیوں کا خاتمہ اور ④ طالبان قیادت کے خلاف تمام الزامات واپس لینا شامل ہیں، قابل قبول ہوسکتی ہیں۔لیکن اصل مسئلہ طالبان کی طرف سے پیش کیا جانے والا بنیادی مطالبہ ''افغانستان کے آئین کو ختم کر کے نظام شریعت کو افغانستان کا نظام قرار دینا'' ہے۔مگر امریکی یہودی ذمہ داران کا کہنا ہے کہ انھیں یہ ایک شرط قبول نہیں، اس کے سوا طالبان جو چاہیں گے قبول کر لیا جائے گا۔ جبکہ افغان طالبان کا کہنا ہے کہ اس شرط کے لیے اتنی جانیں قربان کی ہیں، اس مطالبے سے کس طرح پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح خلافت عثمانیہ کے ختم ہونے کا سبب یہودی تھے جن کو کسی بھی صورت میں اسلامی مرکزیت قبول نہیں تھی، اسی طرح شام میں ایک لاکھ پندرہ ہزار بے گناہ مسلمانوں کا قتل عام بھی اسی وجہ سے ہوا کہ وہاں کے مسلمان اور ان سے منسلک اسلامی تنظیمیں صرف اور صرف اسلامی نظام کا احیاء چاہتی ہیں جو کسی بھی صورت میں ناجائز صہیونی ریاست کو قبول نہیں۔ اور یہی مسئلہ بے آب و گیاہ صومالیہ میں الشباب کو درپیش ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ دنیائے کفر کے یہود و نصاریٰ کو اصل خوف اسلامی شریعت کے نفاذ اور نظریہ جہاد سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج سے دو عشرے قبل جب امریکہ میں یہودیوں کے زرخرید غلاموں نے ''تہذیبوں کے تصادم'' کا نظریہ پیش کیا تھا تو اس نظریے کے پیچھے یہی محرکات تھے کہ کسی طرح سے دنیا میں اسلامی نظام کے احیاء اور فکر کو ختم کیا جائے۔ یہ کام صرف دہشت گردی کے نام سے شروع کی گئی جنگ سے ہی ہوسکتا تھا کیونکہ یہود و نصاریٰ سمجھتے تھے کہ اگر اسلامی تہذیب کی پیش رفت کو نہ روکا گیا تو ان کی سلطنتیں خاک میں مل جائیں گی، اور چاروں طرف کلمہ طیبہ والا پرچم لہرا رہا ہوگا۔ میری رائے میں اب یہ نوشتہ دیوار بن چکا ہے۔ کیونکہ اب عالم عرب اور مسلمان حکمرانوں کی آنکھیں کھلتی جارہی ہیں جس سے اسلامی دنیا میں اسلامی فکر آہستہ آہستہ راسخ ہو رہی ہے اور اس کا آغاز سلامتی کونسل کی عارضی نشست کو ٹھکرا کر مرکز اسلام و توحید سعودی عرب نے کردیا ہے جو ان کی صفوں میں اتحاد پیدا کرنے کا موجب بنے گا۔ اس وقت یہود و نصاریٰ اور ہنود کی کیا حالت ہو گی جب یہ مزاحمتی بیداری کی لہر عروج پر ہو گی۔اس میں مجاہدین اسلام اور ان کی قیادتوں کا کیا کردار ہوگا؟ یہ منصوبہ بندی ان کو آج ہی کرنا ہوگی کیونکہ دشمن بہت چالاک اور عیار اور اس کی رفتار بہت تیز ہے۔ عالم اسلام کے خلاف کی گئی ننگی جارحیت جس کو ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کا نام دیا گیا ہے، درحقیقت صلیبی جنگوں ہی کا ایک تسلسل ہے اور یہ آخر کار یہودیوں کی خواہش پر تیسری عالمی جنگ کا پیش خیمہ ثابت ہوگی، جو بالآخر یہودیوں کے اپنے خاتمے پر منتج ہوگی۔

طارق جاوید عارفی
ریسرچ فیلو دارالسلام

مغرب
مسلم عورت کی مستقل حیثیت کے درپے ہے



اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو پیدا فرمایا اور ان میں سے ہر ایک کو ایسے نمایاں خصائص عطا فرمائے جو دوسروں سے الگ ہیں۔ مردوں اور عورتوں دونوں کو ان خصائص کی حفاظت کرنی چاہیے۔ دونوں میں فرق کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ دونوں کی الگ الگ شخصیت ہے۔ ایک کی شخصیت کو دوسرے کی شخصیت کے ساتھ ملانے کی کوشش کرنا غلط ہے۔ لہٰذا عورت کی شخصیت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے یہ واجب اور لازم ہے کہ ہم اس امتیاز کو برقرار رکھنے کی ضرورت پر زور دیں۔ اسی میں اس کی اس انسانیت کی عزت افزائی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے اِکرام بخشا ہے۔ اور ان خصائص کی تکریم ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اسے سرفراز کیا ہے۔ ان معاملات میں اسے مرد کے ساتھ تشبیہ دینے میں، جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مرد کو نوازا ہے، ایک طرف اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو داغ دار کرنے کی کوشش ہے، تو دوسری طرف اسی کے ناقص ہونے کے بارے میں خبر دینا ہے۔ دونوں کے امتیاز کی حفاظت کرنے میں عورت کو یہ موقع فراہم کرنا ہے کہ وہ اپنی بنیادی ذمہ داریوں کو ادا کرے۔

گزشتہ دو صدیوں سے مغرب کی کوشش ہے کہ مسلم معاشرے کو اسلام کی اعتقادی اور اخلاقی بنیادوں سے اکھیڑ دے اور پھر ان کو ترنوالہ بنائے اور اپنی تہذیب کے لیے جو خطرہ مسلمانوں کی طرف سے اسے دکھائی دے رہا ہے، اسے جلد کچل دے۔ اس کے لیے مغرب نے فکری اور عملی ہر دو طرح کے حربے آزمائے، لیکن اسے خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوئی تو اس نے ''مساواتِ مرد و زن'' کا دلفریب نعرہ لگا دیا۔ اس طرح طویل تجربات کی ناکامی کے بعد مغرب نے ہمارے گھروں میں نقب لگا کر عورت کو اپنے طلسم میں جکڑنے کی کوشش شروع کر دی ہے تاکہ گھر کی وہ پناہ گاہ اُجڑ جائے جہاں اسلامی روایات و اقدار کو عورت سنبھالے بیٹھی ہے۔ اور وہ نئی نسلوں میں ان کو منتقل کرتی چلی جاتی ہے۔

مساوات مرد و زن اور ترقیِ نسواں کے نعرے مغرب کی کامیاب ساحری کے حربے ہیں جن کے طلسم میں گرفتار عورت تنخواہ کے بدلے میں ایکٹریس، رقاصہ اور نائٹ کلبوں کی زینت ہی



نہیں بنی بلکہ نرس، ایئر ہوسٹس، پرسنل سیکرٹری، سیل گرل، ٹیلی فون آپریٹر، ریسپشنسٹ اور ٹائپسٹ کے قدرے شائستہ روپ میں اس نے اپنے آپ کو مردوں کی نگاہِ ہوس کی تسکین کا سامان بنادیا، یعنی وہ محنت و مزدوری بھی کرے اور مریضانِ جنسیت کے لیے وجہِ تفریح بھی ہو۔

ادھر عورت کی نسائیت کو فروغِ کاروبار کا ذریعہ بنالیا گیا ہے۔ عورت کو فلم، اسٹیج اور ٹیلی ویژن چینلز کے پردے میں لاکر، اس کے بارے میں فحش ناول تیار کرکے، اسے اشتہاروں کی زینت بناکر، اس کی عریاں تصویروں کے البم تیار کرکے، اس کے جنسیت انگیز فوٹوؤں سے رسائل اور میگزین کے سرورقوں اور حماموں اور بیوٹی پارلروں کی دکانوں کو مزین کرکے کمائیاں کی جارہی ہیں یا کمائیوں میں اضافے کیے جارہے ہیں۔

مساوات مردوزن کے ساحرانہ نعرے نے عورت کو گھر ہی سے نہیں نکالا، بلکہ جدید عورت تو اب جامے سے بھی باہر ہوتی جارہی ہے۔ سڑکوں پر، باغات اور تفریح گاہوں میں، ہوٹلوں اور ضیافتوں میں، پریڈوں اور سلامیوں میں وہ مردوں کے دوش بدوش اور شانہ بشانہ نمودار ہورہی ہے۔ جلتی پر تیل کا کام کرتی اخباری اور رسائلی تصاویر، تہذیبِ نو کی اس آتش خانہ سوز کو گھر گھر پہنچارہی ہیں۔

اس ذہنی ماحول نے نگاہوں کو آوارہ کردیا ہے۔ آپ ہرروز دیکھتے ہوں گے کہ کسی عورت بالخصوص ماڈرن بیگمات کے سامنے آنے اور راستہ گزرنے پر تمام مرد، بوڑھے بھی، نوجوان بھی، چھوٹی عمر کے بچے بھی ادھر گھورنے لگتے ہیں۔ کوئی سائیکل اور موٹر سائیکل پر جارہا ہے تو دور تک سر گھما گھما کر دیکھے گا۔ اور کوئی کار میں بیٹھا ہوگا تو کھڑکی سے منہ باہر نکال نکال کر ایسے توجہ دے گا جیسے کوئی اس کی اپنی بیوی ہے اور وہ اس سے بات کرنا چاہتا ہے۔ شعر پڑھے جائیں گے، ادبی زبان سے فقرے کسے جائیں گے، دوست آنکھوں آنکھوں میں باہم اشارے کریں گے جیسے پوری قوم کے سامنے کوئی دوسرا کام ہے ہی نہیں اور زندگی کا ایک یہی مصرف باقی رہ گیا ہے۔ یہ تو اوپر اوپر کی سطح ہے، نیچے معاشرے کے تاریک تہ خانے میں اتریے تو بدکاری کا طوفان اُبل رہا ہے۔

عورت پر یہ اُفتاد کیونکر آپڑی، معاشرہ اس قدر بے راہ روی کا شکار کیوں ہوا، صرف اس لیے کہ عورت نے اپنی مستقل حیثیت کی حفاظت کی بجائے خود ہی اسے پامال کرنا شروع کردیا۔ اس نے اپنی اصل پوزیشن کو باقی اور برقرار رکھنے کی بجائے مرد کی پوزیشن اپنانا شروع کردی، مرد بننے کی اس نامراد ہوس نے جہاں خود عورت کو قعرِ مذلت میں گرادیا وہیں پورے معاشرے کا سکون و آرام بھی تج دیا۔

عورت کے مرد بننے کی کوشش یا مرد کی برابری کرنے کی سوچ انتہائی نقصان دہ ہے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے ہر اہم موقع پر اس کی حوصلہ شکنی فرمائی ہے اور اس کے لیے سخت ترین الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ رحمۃ للعالمین ہونے کے باوصف آپ ﷺ نے ایسی خواتین پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں اور ان مردوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ (صحیح البخاري: 5885)

مرد کے ساتھ عورت کی مشابہت کسی بھی حوالے سے ہو وہ موجبِ لعنت ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورت جیسا لباس پہنے اور ایسی عورت پر لعنت کی ہے جو مردوں جیسا لباس پہنے۔ (سنن أبي داود: 4098، و مسند احمد: 325/2)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ جو عورت (مردوں کے لیے مخصوص) جوتا پہنتی ہے (اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟) تو انھوں نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ نے مردوں کی طرح بننے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔'' (سنن أبي داود: 4099)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں خاندانِ ہذیل کے ایک شخص سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو دیکھا، ان کا گھر حِل (غیر حرم) میں اور مسجد حرم میں تھی، ایک دفعہ میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ انھوں نے ابوجہل کی بیٹی ام سعید کو دیکھا جس نے گلے میں کمان لٹکائی ہوئی تھی اور وہ مردوں کی چال چل رہی تھی۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ میں نے کہا: یہ ابوجہل کی بیٹی ام سعید ہے۔ انھوں نے



فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''مردوں میں سے جو عورتوں کے ساتھ اور عورتوں میں سے جو مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔'' (مسند أحمد: 200/2)

عورتوں کے لیے جب چال ڈھال، لباس اور جوتے تک میں مردوں کی مشابہت لعنت کا کام ہے تو دیگر امورِ نشست و برخاست، انداز گفتگو، بال اور بے حجابی وغیرہ سبھی اس میں شامل ہیں۔

مرد بننے کی شوقین خواتین کا فتنہ روز بروز زور پکڑتا جارہا ہے۔ مردانہ ساخت کی قمیص، شرٹ، ٹخنوں سے اونچی پتلون، پی کیپ، عینک، گھڑی، جوتے (بوٹ اور زری کے کھسے) کا رواج عام ہوتا جارہا ہے۔ مردانہ ساخت کے جوتے، مردانہ سٹائل کے بال، مردانہ چال ڈھال، مردانہ حرکات وسکنات اور مردانہ اندازِ گفتگو عورت کے لیے کشش کا باعث اور اولین ترجیح بن چکا ہے۔ کوئی اس پر کان دھرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ نبی کریم ﷺ نے اس پر کتنی سخت وعید فرمائی ہے۔ ''لعنت'' کوئی معمولی کلمہ نہیں ہے۔ کسی بھی صاحب ایمان اور سچے مسلمان کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی ڈانٹ اور دھمکی نہیں ہوسکتی۔ لعنت کے لفظی معنی ہیں: اللہ کی رحمت سے دوری، اور وہ بھی سیدالرسل اور امام الانبیاء ﷺ کی زبان سے۔ لہٰذا اہل ایمان کو اپنی عادات کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے اور چھوٹے بچوں اور بچیوں کے حوالے سے متنبہ ہوجانا چاہیے کہ اگرچہ وہ خود مکلّف نہیں ہوتے لیکن والدین تو ایمان وشریعت کے مکلّف ہیں۔ اس لیے بڑے تو بڑے چھوٹی بچیوں کو بھی لڑکوں والا لباس پہنانا حرام اور ممنوع ہے۔

مردوں اور عورتوں دونوں میں اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر کچھ خصائص رکھے ہیں۔ یہ خصائص زندگی سے متعلق اپنے فرائض ادا کرنے کے لیے عملی مشق سے ثابت ہوتے ہیں۔ اگر یہ عملی مشق نہ ہو اور ہر ایک دوسرے کے کام یا ان میں سے بڑے حصے کو سرانجام دے تو وہ دوسرے کے بعض خصائص کو حاصل کرلے گا۔ اور اس کے اپنے خصائص اور امتیازات ختم ہوکر رہ جائیں گے اور اس سے فرد کی زندگی خواہ مرد ہو یا عورت صراطِ مستقیم پر گامزن نہیں رہے گی۔ اگر وہ عورت ہے تو وہ اس سے مرد نہیں بن جائے گی اور اگر وہ مرد ہے تو وہ اس سے عورت نہیں بن جائے گا بلکہ یہ ایک ایسی مسخ شدہ بری صورت ہوگی جو کسی کو بھی قابل قبول نہیں ہوگی۔

عورت کی اصل پوزیشن برقرار رکھنے کے لیے شریعت اسلامیہ نے اسے ہر ممکن سہولت فراہم کی ہے، یہاں تک کہ معاشی تگ ودو سے بھی اسے نجات عطا کی ہے۔ اس پر کسی اور کا کیا بلکہ خود اس کا اپنا معاشی بار بھی نہیں ڈالا گیا تاکہ اسے اپنا یا دوسروں کا پیٹ بھرنے کے لیے گھر کی حدود کو توڑنا نہ پڑے۔ اور اگر کسی بڑی مصلحت کے تحت اس کو گھر چھوڑنے کی اجازت بھی دی گئی ہے یا کسی عبادت کے اجتماعی طریقہ کو اس کے لیے مفید یا ضروری سمجھا گیا ہے تو اس کے ساتھ ایسی تدابیر بھی اختیار کی گئی ہیں جو ہر آن اس کے اندر یہ احساس تازہ رکھتی ہیں کہ اس کا حقیقی مقام وہی ہے جہاں سے وہ چلی تھی۔ گھر سے باہر نکلنے کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ وہ حدودِ نسوانیت سے بھی باہر ہوجائے، مثلاً: عورتوں کو مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کی اجازت ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ مردوں کے ساتھ خلط سلط ہوکر اپنے مرد ہونے کا اعلان نہیں کرتی پھریں گی، بلکہ ان کی صفیں مردوں کی صفوں سے الگ ہوں گی۔ یہ علیحدگی اور دوری جتنی زیادہ ہوگی، اتنی ہی شریعت میں محبوب و پسندیدہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: «خَيْرُ صُفُوفِ الرِّجَالِ أَوَّلُهَا وَشَرُّهَا آخِرُهَا وَخَيْرُ صُفُوفِ النِّسَاءِ آخِرُهَا وَشَرُّهَا أَوَّلُهَا» ''مردوں کی بہترین صفیں پہلی ہیں اور بدترین صفیں پچھلی ہیں اور عورتوں کی بہترین صفیں پیچھے والی ہیں اور بدترین صفیں آگے والی ہیں۔'' (صحیح مسلم: 440)

مردوں کی آخری اور عورتوں کی پہلی صف کی اس لیے مذمت کی گئی کہ وہ ایک دوسرے سے قریب ہوتی ہیں۔ لیکن مردوں کی پہلی صف اور عورتوں کی آخری صف کی تعریف کی گئی کیونکہ ان کے درمیان فاصلہ زیادہ ہوتا ہے۔ یہ طرزِ عمل اس نظریے کا لازمی نتیجہ ہے جو اسلام نے عورت کے متعلق اختیار کیا ہے۔ اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اسلام عورت کو قطعاً اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اپنے محورِ عمل کو چھوڑ کر کسی دوسرے محور میں چلی جائے بلکہ وہ



اس کو معاشرے کی مختلف مصروفیات سے فارغ کرکے اسی ایک ادارے میں مشغول دیکھنا چاہتا ہے جو اس کے حوالے کیا گیا ہے۔

اس سے اسلام کے مزاج اور رجحان کا پتہ چلتا ہے۔ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ عورت اجتماعی سرگرمیوں سے بالکل کنارہ کش رہے۔ اور اپنے دائرے سے باہر کبھی کوئی کام انجام ہی نہ دے۔

ہاں یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّمہ ہے کہ کامیاب سماجی جدوجہد جن صفات کا تقاضا کرتی ہے، مثلاً: جفاکشی، سادگی اور استقلال وغیرہ فطری طور پر عورت کے اندر ان کا فقدان ہوتا ہے۔ اور یہ صفات پیدا بھی اسی وقت ہوتی ہیں جب انسان کو مخالف قوتوں سے تصادم اور کشمکش کرنی پڑے۔ عورت چونکہ عائلی زندگی سے تعلق کی بنا پر کشمکش سے دور رہتی ہے، اس لیے مشکل ہی سے اس کے اندر یہ صفات پیدا ہو پاتی ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس گھر کی پرسکون زندگی اس کے اندر بڑی آسانی سے تکلف و تصنع، عیش و راحت، نازک طبعی اور غیر مستقل مزاجی جیسی خصوصیات ابھار دیتی ہے۔ اسلام نے کوشش کی ہے کہ یہ مذموم صفات اس کے اندر راہ نہ پانے پائیں اور وہ اس قابل ہو سکے کہ زندگی کی سختیوں کا استقلال کے ساتھ مقابلہ کر سکے، چنانچہ اسی غرض سے شریعت نے اسے سادہ زندگی گزارنے کی تعلیم دی ہے اور اس طرزِ زندگی کی مخالفت پر اسے سخت وعید بھی سنائی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''دو طبقے جہنمی ہیں لیکن میں نے انھیں دیکھا نہیں ہے، ان میں سے ایک طبقہ ان عورتوں کا ہے جو لباس پہننے کے باوجود عریاں رہتی ہیں، جو مٹک مٹک کر چلتی ہیں اور اونٹ کے کوہان کی طرح اپنے کندھوں کو ہلا ہلا کر ناز و ادا کا اظہار کرتی ہیں۔ وہ جنت میں داخل نہ ہوں گی بلکہ اس کی خوشبو تک نہیں پائیں گی، حالانکہ اس کی خوشبو دور دور تک پھیلی ہوئی ہوگی۔'' (صحیح مسلم: 2128)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر تقریر کرتے ہوئے مصنوعی بالوں کی ایک لٹ (وگ) اپنے ہاتھ میں لے کر اہل مدینہ سے سوال کیا: تمھارے علماء کہاں ہیں؟ (وہ اس پر تنقید کیوں نہیں کرتے) میں نے اس کے استعمال سے رسول اللہ ﷺ کو منع کرتے ہوئے سنا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بنواسرائیل اس وقت تباہ ہوئے جب ان کی عورتوں نے اسے اختیار کیا۔'' (صحیح البخاري: 3468)

یہ بات کچھ عجیب سی محسوس ہوتی ہے کہ عورت کے ایک عمل سے پوری قوم تباہ ہوجائے۔ لیکن نبی کریم ﷺ کا منشا یہ نہیں ہے کہ یہ عمل ان کی تباہی کا واحد ذریعہ بنا تھا بلکہ آپ ایک متعین عمل کے ذریعے اسی ذہن و مزاج کی طرف اشارہ کرنا چاہتے تھے جو افراد کو تیزی سے ہلاکت اور بربادی کی طرف لیے چلا جاتا ہے۔ جب کوئی قوم تصنع و تکلف کی عادی اور اپنے اصل محور کو چھوڑ جاتی ہے اور دوسروں کے محور میں دخل اندازی شروع کر دیتی ہے تو کشمکش حیات میں وہ کبھی ثابت قدم نہیں رہتی، نتیجتاً وہ اپنا وجود کھو دیتی ہے۔

شریعتِ اسلامیہ عورت کو اس کی مستقل حیثیت میں مقید کرکے ان ہی اسبابِ تباہی سے محفوظ رکھنا چاہتی ہے تاکہ زندگی کے کارزار میں اس کو ناکامیوں اور نامرادیوں کا سامنا نہ کرنا پڑے اور وہ کامیابی کے ساتھ اپنے فرائض پورے کر سکے۔

عورت کے مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے سے جس طرح اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور اس کے رسول ﷺ کی سنت سے انحراف پیدا ہوتا ہے، اسی طرح دونوں کے امتیاز کو ملحوظ نہ رکھنے سے بھی بگاڑ اور فساد جنم لیتا ہے۔ حتی کہ قریب ہے کہ اس مساواتی واردات کے ذریعے سے عورت سے ہر وہ عام انسانی صفت سلب ہوجائے جس سے اس کی عزت و کرامت ضائع ہوجائے اور اس کی شخصیت ختم ہوکر رہ جائے۔ نہ اس کا کوئی مستقل ارادہ ہو، نہ اسے اختیار کی آزادی ہو، نہ اسے کسی اچھی معاشرتی یا واجب سرگرمی میں شرکت کی مجال ہو۔ اور عورت ایسے ہوجائے جیسے یہ کوئی عاجز اور درماندہ مخلوق ہے اور کامل انسان نہیں ہے۔ حالانکہ اسلام نے اس کی شخصیت کے لیے پختہ نقوش اور ثابت شدہ حقوق فراہم کیے ہیں۔

اب یہ عورت کے ذمے ہے کہ وہ اسلام کی عطا کردہ عزت و کرامت کو پسند کرتی ہے یا مغربی تہذیب کے حقوقِ نسواں اور مساوات مرد و زن جیسے کھوکھلے نعروں سے متاثر ہوکر اپنے شرف و مقام کو داؤ پر لگانا چاہتی ہے اور اپنی عزت و عصمت کو نیلام کرنا چاہتی ہے!

❁❁❁❁



بقیہ: مکالمہ: شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی ﷾

احترام اور اکرام کی بات آئی ہے تو آپ کو ایک واقعہ سناتا چلوں۔ گوجرانوالہ کے محلّہ آبادی حاکم رائے میں (بیرسٹر عثمان ابراہیم MNA کے والد) حاجی ابراہیم انصاری مرحوم کی مسجد (جامعہ اسلامیہ) میں مولانا حافظ اسماعیل صاحب روپڑی ؒ جمعہ پڑھاتے تھے۔ حافظ اسماعیل چھ ماہ کے لیے بغرض تبلیغ کراچی بھی جایا کرتے تھے۔ اسی طرح نماز تراویح بھی وہ ہمیشہ کراچی میں بانی پاکستان کے مزار کے ساتھ حاجی عبدالقیوم کی بہت بڑی کوٹھی تھی وہاں پڑھاتے تھے۔ جب کراچی جاتے تو وہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز جمعہ پڑھانے کے لیے لاہور اور لاہور سے براستہ سڑک گوجرانوالہ پہنچتے تھے۔ اگر کسی وجہ سے وہ گوجرانوالہ نہ پہنچ سکتے تو پھر حافظ عبدالقادر ان کی جگہ جمعہ پڑھاتے تھے۔ اگر حافظ عبدالقادر بھی مصروف ہوتے تو حافظ عبداللہ محدث روپڑی جمعہ کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ حافظ عبداللہ محدث روپڑی نے ایک دفعہ قصہ سنایا کہ میں گوجرانوالہ جمعہ پڑھانے گیا۔ راستے میں کچھ لیٹ ہوگیا۔ جب مسجد میں پہنچا تو دوسری اذان ہورہی تھی اور منبر پر حافظ محمد گوندلوی ؒ تشریف فرما تھے۔ جب انھوں نے مجھے دیکھا تو احتراماً نیچے اتر آئے اور کہنے لگے: ''اب حافظ صاحب آچکے ہیں لہٰذا جمعہ وہی پڑھائیں گے۔ ان کی موجودگی میں میرا منبر پر بیٹھنا مناسب نہیں ہے۔'' اس واقعہ سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اس وقت کے علماء اور شیوخ کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے کتنا احترام تھا۔

ضیائے حدیث آپ نے علماء کے باہمی احترام کی بات کی ہے میں یہاں ایک سوال آپ سے پوچھنا چاہوں گا کہ علمائے روپڑ اور علمائے غزنویہ کے مولانا ثناء اللہ امرتسری سے اختلاف کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

حافظ صاحب روپڑی خاندان علمائے غزنویہ کا شاگرد ہے۔ مولانا حافظ عبداللہ روپڑی امام عبدالجبار غزنوی ؒ کے شاگرد ہیں۔ اصل میں یہ اختلاف غزنوی خاندان کا مولانا ثناء اللہ امرتسری سے تھا جو روپڑی علماء کے گلے پڑ گیا۔ مولانا ثناء اللہ سلف کے عقائد کے خلاف اسماء وصفات واستویٰ علی العرش وغیرہ مسائل میں معتزلہ کی طرح تاویل کے قائل تھے جس کی تفصیل ''الاربعین'' میں ہے اگرچہ ملک عبدالعزیز بن سعود کی کوشش سے انھوں نے اس سے رجوع کرلیا تھا۔ لیکن عملی طور پر ان کے عقائد کتابوں میں اسی طرح ہیں جس طرح پہلے تھے جن کی اصلاح ضروری ہے۔

ضیائے حدیث میرا سوال یہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد مولانا داؤد غزنوی اور مولانا اسماعیل سلفی ؒ نے مل کر ''مرکزی جمعیت اہل حدیث'' کے نام سے جماعت بنائی لیکن علمائے روپڑ نہ تو مرکزی جمعیت اہل حدیث کا حصہ بنے نہ اس کے ساتھ چلے، نہ ہی اسے تسلیم کیا بلکہ انھوں نے ''جماعت اہل حدیث'' کے نام سے الگ جماعت بنائی جو آج تک چلی آرہی ہے؟

حافظ صاحب یہ سیاسی نہیں اجتہادی اختلاف تھا۔ مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑی کہتے تھے کہ شرع میں صدارت نہیں امارت ہے۔ وہ کہتے تھے کہ صدارت کی بجائے امارت قائم کی جائے۔ اس سلسلہ میں حافظ عبداللہ صاحب کا بہت زیادہ اصرار اور زور رہا۔ غالباً 1962ء میں دھوبی گھاٹ فیصل آباد میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کی آل پاکستان سالانہ کانفرنس ہوئی تھی وہاں بھی یہ مسئلہ اٹھایا گیا تھا اور وہاں صدر کی بجائے امیر کا عہدہ تو منظور ہوگیا لیکن نظام نہیں بدلا۔

ضیائے حدیث حافظ صاحب! آئیں اب مدینہ کی طرف چلتے ہیں۔

حافظ صاحب ہاں! جب کراچی سے ہم ہوائی جہاز میں سوار ہوئے تو راستے میں ہمیں ایک دیوبندی عالم دین محمد ناظم ندوی مل گئے، وہ ہمارے ساتھی بن گئے۔ میرا اور مولانا عبدالسلام کیلانی کا یہ پہلا سفر تھا، اس لیے ہم کچھ بھی نہ جانتے تھے۔ جب ہم جدہ اترے تو مولانا ناظم کا کوئی جاننے والا انھیں لینے ایئرپورٹ آیا ہوا تھا۔ رات ہم ان کے پاس رہے۔ اس کے بعد ہم عمرہ کرکے مدینہ گئے۔ مدینہ یونیورسٹی پہنچ کر شیخ ابن باز ؒ سے ملاقات کی۔ انھیں بتایا کہ ہم پاکستان سے آئے ہیں اور حافظ صاحب کے شاگرد ہیں۔ شیخ ابن باز حافظ صاحب کا نام سن کر بہت خوش ہوئے اور ہمیں بہت قدر و منزلت سے نوازا۔ ایک اتفاق کی بات یہ ہوئی کہ

> ہم شیخ ابن باز کے دفتر میں جاکر بیٹھے ہی تھے کہ ناگہاں میں نے شیخ کے دفتر میں لاہور سے



تعلق رکھنے والے ایک بہت بڑے قادیانی کو بیٹھے دیکھا۔ مسجد قدس کے قریب قادیانی لاہوری گروپ کا بہت بڑا مرکز ہے۔ اس قادیانی کا تعلق اس مرکز سے تھا اور اس کا نام عبداللطیف تھا۔ جب عبداللطیف نے ہمیں دیکھا تو فوراً بھاگ کھڑا ہوا۔ ہم نے شیخ سے کہا یہ مرزائی ہے اسے پکڑو! شیخ نے اس کے پیچھے فوراً آدمی دوڑایا مگر وہ مرزائی ایسے غائب ہوا کہ کچھ پتہ نہ چل سکا۔

ضیائے حدیث کہا جاتا ہے کہ آپ اور مولانا عبدالسلام کیلانی پاکستان سے جانے والوں میں سابقون الاولون تھے؟

حافظ صاحب ایسی بات نہیں، کچھ پاکستانی طلبہ ہم سے پہلے وہاں پہنچ چکے تھے۔ حافظ احسان الٰہی ظہیر بھی ان میں شامل تھے۔ گوکہ حافظ احسان الٰہی ظہیر بغرض تعلیم نہیں بلکہ بغرض سیاحت گئے تھے۔ جب وہ مدینہ یونیورسٹی گئے تو وہاں اساتذہ سے ان کا تعارف ہوگیا اور ان کو داخلہ مل گیا۔ حافظ احسان الٰہی سے بھی پہلے جو پاکستانی طلبہ مدینہ پہنچے ان میں ڈاکٹر صہیب حسن، بشیر احمد جوہری، عبدالرحمٰن ناصر، یوسف کاظم اور دیگر شامل تھے۔

ضیائے حدیث جس دور میں آپ مدینہ یونیورسٹی گئے اس دور میں یونیورسٹی کی کیا کیفیت تھی؟

حافظ صاحب

اس دور میں مدینہ یونیورسٹی میں ڈھائی تین سو طالب علم تھے اور چند ایک کمرے تھے۔ طلبہ کھانا خود پکاتے تھے۔ 20، 25 اساتذہ تھے۔ عمارت بھی سادہ سی تھی۔ لیکن اہم اور نہ بھولنے والی چیز اعلیٰ تعلیمی معیار تھا۔ مدینہ یونیورسٹی کی تاسیسی مجلس میں پاکستان سے سید داؤد غزنوی اور مولانا مودودی رحمہ اللہ کو بلایا گیا تھا۔

ضیائے حدیث حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کو بھی تدریس کے لیے بلایا گیا تھا؟

حافظ صاحب وہ قصہ اصل میں یہ تھا کہ شیخ البانی رحمہ اللہ تین سال تک مدینہ یونیورسٹی میں مدرس رہے۔ شیخ البانی کو اللہ تعالیٰ نے بہت علم سے نوازا تھا۔ مدینہ یونیورسٹی میں ان کے حاسد پیدا ہوگئے جو بالائی سطح پر شیخ کے بارے میں شکایات پہنچاتے رہتے تھے۔ اس وجہ سے ایک وقت ایسا آیا کہ شیخ کو فارغ کردیا گیا۔ اس کے بعد محسوس ہوا کہ اب یونیورسٹی میں کوئی ایسا عالم چاہیے جو شیخ البانی کے پائے کا ہو۔ اس مقصد کی خاطر ایک بہت بڑے سعودی عالم، جو اب بھی بقید حیات ہیں مگر بہت ضعیف ہوچکے ہیں اور میرے استاد بھی ہیں، عازم پاکستان ہوئے۔ وہ سب سے پہلے کراچی مدرسہ رحمانیہ پہنچے۔ وہاں اس وقت مولانا عبدالغفار حسن تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے اور عربی بھی بول سکتے تھے۔ سعودی شیخ مولانا عبدالغفار حسن سے متاثر ہوئے اور ان کا انتخاب کرلیا۔ پھر وہ پنجاب کی طرف آگئے۔ اس وقت گوجرانوالہ میں مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کی بہت علمی شہرت تھی۔

سعودی شیخ مولانا اسماعیل سلفی سے ملے اور ان کو سعودیہ آنے کی دعوت دی۔ مولانا اسماعیل سلفی فرمانے لگے: ''میں ابھی تک جنس بازار نہیں بنا، جب میں جنس بازار بن گیا تو آپ بھی میرا بھاؤ لگانے آجانا۔'' اس طرح مولانا اسماعیل سلفی نے جانے سے انکار کردیا۔ مولانا سلفی رحمہ اللہ استقامت، تقویٰ، عزیمت کا کوہ گراں اور علم کا سمندر تھے۔ انھوں نے ساری زندگی ایک جگہ گزار دی۔ جب وہ گوجرانوالہ آئے تو بالکل نوجوان تھے۔ ان کا جنازہ بھی گوجرانوالہ سے اٹھا۔

استقامت، دلجمعی اور ساری زندگی ایک جگہ کام کرنے کے نتائج آج آپ کے سامنے ہیں۔ اس کے بعد سعودی شیخ حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ سے ملے اور بڑی کوشش کرکے انھیں سعودیہ جانے پر قائل کرلیا۔ حافظ صاحب جب مدینہ یونیورسٹی گئے تو ساتھ ان کا بیٹا مسعود بھی تھا۔ میں، مولانا عبدالسلام کیلانی اور دیگر اہل حدیث علماء وطلبہ نے ان کا استقبال کیا۔ اس کے بعد پہلا مرحلہ مکان کا تھا۔ ہم مکان کی تلاش میں لگ گئے۔ یونیورسٹی میں ہمارے ایک ساتھی تھے عبدالغفور عقیدے کے دیوبندی۔ ان کا ایک بھائی اکبر تھا، وہ عقیدے کا اچھا تھا۔ یہ دونوں پاکستانی تھے مگر وہاں کے رہائشی بن گئے تھے۔ ان کا مکان تھا۔ ہم نے وہ مکان حافظ صاحب کے لیے پسند کرلیا اور ان سے درخواست کی کہ چل کر دیکھ لیں۔

حافظ محمد گوندلوی صاحب تشریف لائے اور مکان میں داخل ہوتے ہی کہنے لگے کہ ''یہاں میں نے رہائش نہیں رکھنی کیونکہ یہاں سے مجھے شیطانوں کی بدبو آتی ہے۔'' ہم متعجب ہوئے کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ جب تحقیق کی تو



معلوم ہوا کہ عبدالغفور اور اکبر کا والد بہت بڑا مشرک اور بدعتی تھا۔ وہ مدینہ سے بہت کم نکلتا تھا۔ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ میں مدینہ میں ہی رہوں۔ مجھے موت آئے تو مدینہ میں آئے۔ ایک دفعہ اسے کسی اشد ضرورت کی وجہ سے پاکستان آنا پڑا۔ کراچی سے لاہور کی طرف ریل پر جارہا تھا کہ اس کی موت ہوگئی۔ دہلی دروازے کے قرب وجوار میں اس کی قبر بن گئی اور اب غالباً اس قبر کی پوجا ہوتی ہے۔

خیر اس کے بعد ہم نے بئر بضاعہ کے قریب حافظ صاحب کے لیے مکان تلاش کیا۔ میں اور کیلانی صاحب اکثر یونیورسٹی کے بعد کا وقت حافظ صاحب کے ساتھ اسی مکان میں گزارتے تھے ۔جب حافظ صاحب نے تدریسی عمل شروع کردیا تو مولانا عبدالسلام کیلانی اور میں اکثر اوقات ان کے ساتھ رہتے تھے کہ پاکستان میں ان سے پڑھنے کا موقع نہیں ملا تو اب یہاں پڑھنا چاہیے۔ حافظ صاحب کو وہاں بلوغ المرام پڑھانے کی ذمہ داری سونپی گئی۔

حافظ گوندلوی رحمہ اللہ کہا کرتے تھے مجھے بڑی تکلیف ہے یہ پہلا سال ہے کہ میں بخاری شریف نہیں پڑھا سکا۔ میں اور مولانا عبدالسلام کیلانی نے عرض کی کہ آپ سے بخاری شریف پڑھنے کی سعادت ہم سمیٹنا چاہتے ہیں۔ اس طرح میں اور مولانا عبدالسلام نے حافظ صاحب سے بخاری شریف پڑھنا شروع کردی۔ سبحان اللہ! وہ کیا خوبصورت ایام تھے۔ جگہ مسجد نبوی جیسی۔ جہاں امام محمد بن اسماعیل البخاری نے صحیح بخاری تالیف کی اور معلم و مدرس حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ جیسے۔ یوں تو پاکستان میں میں دو دفعہ صحیح بخاری کی تکمیل کرچکا تھا لیکن مسجد نبوی میں بخاری شریف پڑھنے سے ایمان اور یقین کی جو بہاریں سمیٹیں وہ ہمیشہ یاد اور تروتازہ رہیں گی۔

حافظ صاحب نے مدینہ یونیورسٹی میں تدریس تو شروع کردی لیکن ان کے لیے بعض مشکلات بھی وہاں پیدا ہوئی تھیں، مثلاً وہ پاکستان میں چٹائی پر بیٹھ کر پڑھانے کے عادی تھے۔ وہاں انھیں کرسی پر بیٹھ کر پڑھانا پڑتا تھا جس سے انھیں دقت ہوتی تھی۔ حافظ صاحب کی عربی پر بہت اچھی دسترس تھی لیکن یونیورسٹی میں بولی جانے والی عربی زبان کے عامی الفاظ سمجھنے میں انھیں مشکل پیش آتی تھی۔ اسی طرح حافظ صاحب کی گفتگو بہت عالمانہ ہوتی تھی مگر ان کے طلبہ بہت سطحی قسم کے تھے۔ یونیورسٹی کے اساتذہ بھی حافظ صاحب کی قابلیت کو نہیں پہنچتے تھے۔ ان کی گفتگو بعض دفعہ فلسفیانہ ہوتی تھی۔

فلسفیانہ گفتگو کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر عربی استاد کہنے لگے: ''ہم نے پاکستان سے محدث لانا تھا لیکن یہ تو محدث کی بجائے فلسفی آگئے ہیں۔''

حافظ صاحب ایک سال تک وہاں رہے۔ وہاں انھوں نے ایمان کی بحث پر تقریباً ایک گھنٹہ لیکچر بھی دیا تھا اور جن لوگوں نے وہ لیکچر سنا تھا وہی جانتے ہیں کہ حافظ صاحب مرحوم کے علم کی کتنی گہرائی تھی۔ سب ہی ان کی گفتگو سے بہت متاثر ہوئے۔ حافظ صاحب کے مشہور شاگردوں میں سے ایک شاگرد تھے: محمد ابراہیم، وہ ان کے خصوصی شاگرد تھے اور ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ وہ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد کینیا چلے گئے اور غالباً اب تک کینیا میں ہیں۔ حافظ صاحب کے لیکچر، دروس، اسباق اور تقریروں کے اکثر و بیشتر نوٹس ان کے پاس تھے۔

ضیائے حدیث آپ وہاں کتنا عرصہ رہے ہیں اور کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں؟

حافظ صاحب میں وہاں تقریباً پانچ سال رہا ہوں۔ وہاں میں نے بلوغ المرام پڑھی لیکن اس طرح پڑھی کہ جس طرح پڑھنے کا حق ہے۔ پاکستان میں حافظ محدث روپڑی سے بلوغ المرام دوسرے سال میں پڑھی تھی۔ یہاں کی تدریس اور وہاں کی تدریس میں فرق ہے۔ یہاں کی تدریس علماء کے لیے سطحی طور پر کافی ہوتی ہے وہاں پڑھنے سے انسان کو مجتہدانہ بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ وہاں علماء کا طریقہ یہ ہے کہ وہ پہلے حدیث کے بارے میں آگاہ کرتے ہیں، لغوی تشریح بتاتے ہیں، جدید مسائل کی بھی تشریح کرتے ہیں۔ تدریس کا یہ انداز یہاں نہیں ہے۔

ضیائے حدیث بلوغ المرام کے علاوہ آپ نے کون سی کتابیں پڑھی ہیں؟

حافظ صاحب وہاں چارسال میں تو بمشکل بلوغ المرام ہی ختم ہوتی ہے۔

میں بلوغ المرام کی شرح سبل السلام پر ہی اکتفا نہیں کرتا تھا بلکہ اس وقت مسجد نبوی میں مکتبہ محمودیہ تھا، اس مکتبہ کی سب کتابیں میں نے دیکھیں۔ وہاں مجھے ایک بہت ضخیم قلمی کتاب نظر آئی جس کا نام تھا: ''بدرالتمام'' یہ بلوغ



المرام کی شرح ہے۔ صنعانی کی سبل السلام کی اصل بدر التمام ہے۔ سبل السلام اور بدرالتمام میں مجھے کوئی فرق نظر نہ آیا۔

پھر میں نے وہاں نواب صدیق الحسن خان کی کتاب فتح العلام شرح بلوغ المرام دیکھی۔ فتح العلام، سبل السلام کی کاپی ہے۔ میں نے اس زمانے میں زیادہ اعتبار بدرالتمام پر کیا۔ مکتبہ محمودیہ میں مجھے جو قلمی کتاب ملتی، میں کوشش کرتا کہ اسے نقل کرلوں۔ وہاں ایک اور قلمی کتاب تھی جس کا نام تھا نزهة الألباب فی الألقاب از حافظ ابن حجر رحمہ اللہ۔ اس وقت اس کا وہ قلمی نسخہ ہی دستیاب تھا۔ اب یہ کتاب شائع ہوچکی ہے۔ میں نے اوپر نیچے دو پیپر رکھ کر اس کتاب کے دو نسخے تیار کرلیے۔ ایک اپنے لیے اور ایک اپنے استاد محدث مدینہ الشیخ حماد الانصاری کے لیے۔

ضیائے حدیث بخاری شریف پڑھانے کا سلسلہ آپ نے کب شروع کیا؟

حافظ صاحب

صحیح بخاری میں نے 1970ء میں پڑھانی شروع کی تھی۔ آغاز مسجد قدس سے کیا۔ اب تک طلبہ و طالبات کو کوئی 40 دفعہ سے زائد صحیح بخاری پڑھا چکا ہوں۔

اجازۃ الروایہ محدث روپڑی رحمہ اللہ سے لی۔ سعودی عرب میں بھی متعدد شیوخ سے اجازۃ الروایہ لی۔ جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور جامعہ رحمانیہ لاہور میں 8 سال تک دیگر کتب کے علاوہ صحیح بخاری متعدد دفعہ پڑھائی ہے۔

ضیائے حدیث مدینہ کی یادوں میں سے کوئی اہم واقعہ یاد ہے؟

حافظ صاحب ایک دفعہ مدینہ میں میں اور مولانا عبدالسلام کیلانی حافظ احسان الٰہی ظہیر کے گھر جمع ہوئے۔ حافظ احسان الٰہی کے تذکرے سے یاد آیا کہ حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کی بیٹی سے حافظ احسان الٰہی کا رشتہ غالباً مدینہ میں طے ہوا تھا۔ اس وقت حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ بھی مدینہ میں تھے۔ پاکستان سے حافظ احسان الٰہی کے والد مدینہ گئے تھے۔ ہاں تو میں بات کررہا تھا کہ جب

ہم تینوں دوست حافظ احسان الٰہی کے گھر جمع ہوئے تو ہم نے مستقبل کے حوالے سے کچھ پروگرام بنائے اور کچھ ارادے وضع کیے کہ عملی زندگی میں ہم نے کیا کرنا ہے۔ پہلا ارادہ ہم نے یہ کیا کہ کسی ایک فن میں جس میں ہمارا ذہن چلتا ہے مہارت تامہ حاصل کرنی ہے۔ اپنی ساری صلاحیتیں اس میں صرف کردینی ہیں۔ سب سے پہلے حافظ احسان الٰہی بولے، کہنے لگے: میں نے فرق باطلہ کی خبر لینی ہے اور ان کا رد کرنا ہے۔ اس کے بعد میں گویا ہوا کہ میرا رجحان مسائل کی طرف ہے۔ میرے استاد محدث روپڑی رحمہ اللہ تھے۔ ان کا رجحان بھی اس طرف تھا۔ اس لیے میں مسائل پر کام کروں گا۔ میرا انداز بھی تقریباً وہی ہے جو محدث روپڑی رحمہ اللہ کا تھا۔ مولانا عبدالسلام کیلانی رحمہ اللہ نے بھی اپنے مستقبل کے ارادوں کے بارے میں بات کی۔ مدینہ منورہ میں بیٹھ کر ہم نے جو فیصلہ کیا تھا اور جس جس ساتھی نے جو ارادہ کیا اس کے مطابق ہم نے کام شروع کردیا۔ اس کے ساتھ ایک اہم فیصلہ ہم نے یہ کیا کہ دین کی خدمت کرنی ہے اپنے قدموں پر کھڑے ہوکر کسی کا دست نگر نہیں بننا۔

حافظ احسان الٰہی ظہیر کا مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ سے بہت رابطہ اور تعلق تھا۔ ان کے مدینہ یونیورسٹی میں ابھی دو سال باقی تھے، ایک دن کہنے لگے: میرا دل چاہتا ہے میں فی الفور پاکستان چلا جاؤں اور جو مولانا اسماعیل چاہتے ہیں اس کے مطابق کام کروں۔ لیکن بہرحال انھوں نے اپنی تعلیم ادھوری نہیں چھوڑی۔ بہت اچھا کیا جو پہلے اپنی تعلیم مکمل کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد جب حافظ احسان الٰہی واپس آئے تو اس کے بعد جو کام انھوں نے کیے دنیا ان کی معترف ہے۔ آج کے طلبہ کو میں یہی نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ پہلے اپنی تعلیم مکمل کریں بعد میں کچھ اور کریں۔ حافظ احسان الٰہی ظہیر کے تذکرہ سے ایک بات یاد آئی۔ حافظ صاحب اہل حدیث کے بہت والا و شیدا اور فریفتہ تھے۔ مدینہ یونیورسٹی کے زمانہ طالب علمی میں ہی ان کا حلقہ احباب بہت وسیع ہوچکا تھا۔ ان کے حلقہ احباب میں تمام مکاتب فکر کے لوگ تھے۔ اس کے باوجود حافظ صاحب قاطع شرک و بدعت تھے۔ ایک دفعہ پاکستان سے تمام مکاتب فکر پر مشتمل علماء کا ایک وفد سعودی عرب گیا۔ وفد میں جامعہ حزب الاحناف لاہور کے مہتمم مولانا محمود احمد رضوی بھی تھے۔ وفد کی امام کعبہ سے ملاقات تھی اور تعارف کا فریضہ حافظ احسان الٰہی کے ذمہ تھا۔



دوران تعارف جب مولانا محمود رضوی کی باری آئی تو حافظ صاحب ان کی طرف اشارہ کر کے بڑے دبنگ لہجہ میں کہنے لگے: ''ھذا قبوری'' (یہ قبر پرست ہیں) مولانا رضوی حافظ صاحب کی بات سن کر سہم گئے۔ الغرض! حافظ احسان الٰہی ظہیر حق کہنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔

ضیائے حدیث آپ جماعتی سرگرمیوں سے ساری زندگی الگ تھلگ رہے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟

حافظ صاحب

میں سمجھتا ہوں کہ جماعتی سرگرمیوں میں پڑنے سے علم کا نقصان ہوتا ہے۔ میں چاہتا تھا کہ علمی کام کیا جائے تاکہ آثار باقی رہ جائیں۔

میں نے ایک دفعہ ارادہ کیا تھا کہ ''مجلس کبار العلماء اہل حدیث باکستان'' کے نام سے کبار علماء پر مشتمل ایک مجلس بنائیں تاکہ معاشرے کو جو جدید قسم کے مسائل درپیش ہیں وہ حل کیے جائیں۔ دوسرے تمام مسالک کے کبار علماء کی ایسی مجلسیں موجود ہیں۔ اہل حدیث علماء کی ایسی کوئی مجلس نہیں۔ اس مقصد کی خاطر جید اہل حدیث علماء کا ایک اجلاس کوٹ عبدالمالک (لاہور) میں طلب کیا گیا جس میں کراچی سے پشاور تک کے 40 کے قریب علماء شریک ہوئے تھے۔ مجلس بلانے کا مقصد یہ تھا کہ جید علماء کی راہنمائی میں کام کریں۔ مجلس میں جتنے علماء بھی موجود تھے سب نے مجھے آگے کر دیا۔ علماء کے اصرار پر میں نے ذمہ داری قبول کر لی لیکن اس شرط کے ساتھ کہ سب میرا ساتھ دیں گے۔ میں نے اپنے ساتھ حافظ عبدالشکور صاحب کو مجلس کے سیکرٹری کے طور پر رکھا اور ان سے کہا کہ آپ علماء کو یہ یہ جدید مسائل بھیجیں لیکن کسی عالم دین کی طرف سے بھی جواب نہ آیا۔ جامعہ سلفیہ میں کچھ سوالات بھیجے۔ انھوں نے اول تو جواب ہی نہ دیے جو دیے وہ بھی دوسطروں پر مشتمل تھے۔ مولانا ارشاد الحق اثری ویسے ہی خاموش ہوگئے۔ وہ دل سے نہیں چاہتے تھے کہ یہ مجلس بنے۔ وہ مجلس میں شریک بھی تھے مگر آگے بڑھنے، ذمہ داری اٹھانے اور کام کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھے، حالانکہ مولانا ارشاد الحق میرے بہت اچھے اور مخلص ساتھی ہیں۔ امریکہ کے پہلے سفر میں وہ ہمارے ساتھ تھے۔ بہرحال علماء کے عدم تعاون کی وجہ سے یہ مجلس ناکام ہوگئی۔

ضیائے حدیث حافظ صاحب! آپ نے کن کن ممالک کے سفر کیے ہیں؟

حافظ صاحب امریکہ، مشرق وسطیٰ اور یورپ سمیت بہت سے ملکوں کے سفر کیے ہیں۔ حافظ مقبول احمد میرے حفظ کے ساتھی تھے، ان کا ذکر میں پہلے بھی کر چکا ہوں۔ وہ اس وقت دبئی گئے تھے جب ابھی وہاں ریت کے ٹیلے اور صحرا تھے اور جدید دبئی کا خواب ابھی دور تھا۔ وہ مکتب الدعوۃ والارشاد سعودیہ کی طرف سے وہاں مبعوث تھے۔ ان کے مدیر کا نام تھا شیخ عمر عثمان۔ بہت اچھے انسان، موحد اور دین دار تھے۔ بہت مخلص اور توحید والے تھے۔ شیخ عمر عثمان کے فضل، علم اور تقویٰ کی وجہ سے ہر جگہ ان کی عزت تھی۔ ان کے دور میں پاکستان کے بدعتی علماء کا داخلہ دبئی شارجہ وغیرہ میں قطعی ممنوع تھا۔

امارات میں میں نے کچھ وقت گزارا ہے۔ اللہ کے فضل سے امارات کے تمام خطوں اور علاقوں میں رات دن دعوت وتبلیغ کا کام کیا ہے۔ اس زمانے میں ہمارے ساتھیوں میں سے حافظ مقبول صاحب کے علاوہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس دور میں بعض ریاستوں کے حکومتی عمائدین سے بھی بغرض دعوت وتبلیغ ملاقاتیں رہیں۔ اس کے بعد ہمارے بعض ساتھیوں نے ترغیب دلائی کہ میری لینڈ میں دعوت وتبلیغ اور پیش آمدہ جدید مسائل میں رہنمائی کی سخت ضرورت ہے۔ وہاں اس مقصد کی خاطر ایک مجلس بنائی جائے۔ ہم نے اپنے ساتھ مولانا ارشاد الحق اثری صاحب کو بھی تیار کیا۔ مجلس کا تاسیسی اجلاس اکتوبر 2000ء کو واشنگٹن کے ایک فائیو سٹار ہوٹل میں ہوا۔ مجلس میں پاکستان، مشرق وسطیٰ اور دیگر خطوں کے جید علماء شریک ہوئے۔ سب کی متفقہ رائے سے مجلس کے رئیس قطر سے تعلق رکھنے والے الشیخ علی السلوس بنائے گئے۔ ان کے نائب تھے وھبہ الذحیلی۔ یہ بہت بڑے عالم ہیں اور دمشق کے رہنے والے ہیں۔ مجلس کا نام مجلس فقهاء الشرعيه تجویز کیا گیا۔ یہ مجلس 50 علماء پر مشتمل تھی جس میں میں اور مولانا ارشاد الحق اثری صاحب بھی شامل تھے۔ پہلے اس مجلس کے سالانہ اجلاس زیادہ تر امریکہ میں ہوئے۔ 11/9 کے بعد جب امریکہ میں مشکلات پیش آنے لگیں تو اب اس



کے اجلاس مشرق وسطیٰ وغیرہ کے ممالک میں ہوتے ہیں۔ امریکہ کے سفر کے دوران حافظ عبدالوحید صاحب، جو ہیوسٹن میں دارالسلام برانچ کے انچارج ہیں، ان سے ملاقاتیں ہوتی رہیں۔

امریکہ میں میرے سینکڑوں شاگرد ہیں جو اللہ کے فضل وکرم سے وہاں بھرپور طریقے سے دعوت وتبلیغ کا کام کررہے ہیں۔ امریکہ کے سفر کے دوران ہی میرے بہت سے شاگردوں نے مجھ سے اجازۃ الروایہ لی۔

میں آپ کو ایک اہم واقعہ سناتا ہوں۔ مجلس فقہاء الشریعہ کی تیسری سالانہ مجلس امریکہ کے شہر ہوسٹن میں تھی۔ میں بھی اس مجلس میں شریک تھا۔ فراغت کے بعد میں نے سعودیہ کا سفر کرنا تھا۔ اس لیے کہ حج کے دن قریب تھے۔ پہلے میں لندن گیا۔ لندن سے میں نے جدہ جانا تھا اور حج بالکل قریب تھا۔ جدہ سے ریاض اور ریاض سے مکہ پہنچا۔ مکہ میں کچھ دوستوں کے پاس اپنا سامان رکھوایا۔ کرنسی اپنے حزام (بیلٹ) میں اپنے پاس رکھ لی تاکہ محفوظ رہے۔ کرنسی میں امریکی ڈالر، سعودی ریال اور پاکستانی روپے شامل تھے۔ آدھی رات کا وقت تھا، میں جمرات پر تھا کہ میرے پیسے گر گئے۔ میں نے انا للہ پڑھا اور اللہ سے دعا بھی کی: یااللہ! آسانی کردے۔ حج سے فارغ ہوکر میں ریاض چلا گیا۔ دوسرے دن مجھے جدہ سے فون آیا۔ فون کرنے والا کہہ رہا تھا، آپ کی گم شدہ رقم میرے پاس ہے۔ آپ وہ حاصل کرلیں۔ اس نے مجھے اپنا ایڈریس لکھوادیا۔ ریاض میں میرے بہت سے شاگرد ہیں۔ ان میں سے ایک عبدالستار قاسم ہے، اس کو میں نے فون کیا تو وہ جدہ چلا گیا۔ امانت کی نشانیاں بتانے پر امانت لے لی۔

جب وہ میرے پاس آیا تو میں نے دیکھا اللہ کے فضل سے اس میں سے کچھ بھی کم نہ تھا۔ سبحان اللہ! حج کے موقع پر گمشدہ رقم کا اس طرح واپس مل جانا خاص اللہ کا فضل وکرم تھا اور قرآن وحدیث کی خدمت کا نتیجہ تھا۔

ضیائے حدیث آپ کی پسندیدہ کتب کون سی ہیں؟

حافظ صاحب

فتح الباری میری پسندیدہ کتاب ہے۔ اس کا میں نے اتنا مطالعہ کیا ہے کہ جیسے مجھے حفظ ہوچکی ہے۔ فتح الباری میں وہ مسائل ذکر ہوئے ہیں کہ جو عام کتابوں میں نہیں ہیں۔

اس کتاب سے جب بھی کوئی مسئلہ تلاش کرنا ہو مجھے فہرست دیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جس طرح مجھے قرآن یاد ہے اسی طرح میں فتح الباری سے حدیثیں نکال لیتا ہوں۔ جب ضرورت پڑے ساتھ عمدۃ القاری بھی رکھ لیتا ہوں۔ سنن ابی داود جامعہ سلفیہ میں سات سال پڑھائی ہے۔ الشیخ منیر قمر وغیرہ میرے شاگرد ہیں۔ میرے خصوصی شاگرد قاری ابراہیم میر محمدی ہیں۔ وہ اکثر فون کرکے میرا حال پوچھتے رہتے ہیں۔ قاری ابراہیم نے مجھ سے ابوداؤد پڑھی ہے۔ جتنی پڑھی ہے وہ ساتھ نوٹ بھی کی ہے۔

تفاسیر میں سے تفسیر معالم التنزیل میرے زیر مطالعہ رہتی ہے۔ یہ بہت اچھی تفسیر ہے اور سلف کے عقیدے پر ہے۔ حافظ محمد لکھوی رحمہ اللہ نے جو شعری تفسیر لکھی ہے ان کا اعتماد تفسیر معالم التنزیل پر ہے۔

یہی وجہ ہے ان کے عقیدے میں جھول نہیں ہے۔ بالخصوص استواء علی العرش کے مسائل بالکل صحیح ہیں۔ تفسیر طبری کے ساتھ بھی میرا بہت تعلق ہے۔ جامع ترمذی بھی میری پسندیدہ کتب میں شامل ہے۔ کیونکہ اس میں مذاہب کا بیان ہے اور میرا ذوق بھی مذاہب کا ہے۔ اس میں راجح مرجوح کے مسائل بھی ہیں۔

ضیائے حدیث حافظ صاحب! اپنی تصنیف و تالیف کے بارے میں ضیائے حدیث کے قارئین کو آگاہ فرمائیں؟

حافظ صاحب

اب طبیعت میں اضمحلال آگیا ہے، اس لیے تدریس مشکل ہوگئی ہے اور اسی وجہ سے میں نے تصنیف وتالیف کا کام شروع کردیا ہے۔ جائزۃ الأحوذی کے نام سے میں نے ترمذی کی شرح لکھی ہے۔

جائزۃ الأحوذی کے لکھنے کا جب ارادہ کیا تو اس کی فہرست مولانا عبدالسلام کیلانی رحمہ اللہ نے مرتب کی تھی۔ میری ایک کتاب شرح علل الترمذی ہے، ایک کتاب الوسائل فی شرح الشمائل، کافی ضخیم کتاب ہے۔ طویل عرصہ سے میرا فتاویٰ بالخصوص ہفت روزہ الاعتصام میں چھپتا رہا ہے اور اس کی ایک جلد تقریباً نوسو صفحات پر مشتمل ہے جس کا نام فتاویٰ ثنائیہ مدنیہ ہے اور بازار میں دستیاب ہے اس کا امتیاز



یہ ہے کہ اس میں بہت سارے جدید مسائل پر بحث ہے۔ شاید وہ دوسرے فتاویٰ میں دستیاب نہ ہو سکے۔ دوسری جلد تیاری کے مراحل میں ہے جس میں کتاب الصلوٰۃ کے مسائل بہت تفصیل سے ہیں۔ اور تیسری اس کے بعد آئے گی، ان شاء اللہ۔

ضیائے حدیث آپ نے ایک لمبا عرصہ تعلیم و تدریس میں گزارا ہے۔ یہ فرمائیں کہ اچھے استاد کے لیے تدریس کا کیا طریقہ ہونا چاہیے؟

حافظ صاحب استاد نے جو کتاب پڑھانی ہو پہلے خود اس کی تیاری کرے۔ ہمارے شیخ حافظ محدث روپڑی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: ''استاد کو پڑھانے والے شاگرد ہوتے ہیں۔'' جب محدث روپڑی یہ بات فرماتے تو مولانا عبدالسلام کیلانی کبھی کبھی کہتے: ''شیخ صاحب! اس کا مطلب ہے کہ ہم آپ کے استاد ٹھہرے'' محدث روپڑی یہ بات سن کر ہنس پڑتے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ استاد کو پہلے خود تیاری کرنی چاہیے۔ جو استاد پہلے خود تیاری نہیں کرتا وہ مسند معلمی پر بیٹھنے کے لائق نہیں اور تدریس میں ناکام ہے۔ استاد کو چاہیے کہ پہلے خود مطالعہ کرے اگر اسے کوئی مسئلہ سمجھنے میں مشکل درپیش ہو تو اپنے سینئر سے پوچھے۔

ضیائے حدیث طلبہ کے لیے آپ کیا نصیحت فرمائیں گے؟

حافظ صاحب

طالب علم کے لیے پہلی بات یہ ہے کہ وہ اپنی نیت خالص کرے، خود کو اللہ کے لیے وقف کردے۔ یہ ارادہ رکھے کہ اللہ کی رضا کے لیے پڑھنا ہے ملازمت کے لیے نہیں۔ آج کل علم کے حصول کا مطلب ملازمت ہے کہ کسی سکول میں مدرس لگ جاؤں۔

دینی طلبہ کے سکولوں میں ملازمت کی طرف بڑھتے ہوئے رجحان کی وجہ غالباً ہماری جماعتی کوتاہی ہے۔ جماعت کا نظم نہیں اور جو طلباء تکمیل علم کے بعد فارغ ہوتے ہیں ان کے لیے کوئی پروگرام نہیں۔ جن جماعتوں میں نظم و نسق ہے وہاں یہ صورت حال نہیں۔ ہماری حالت یہ ہے کہ ہمارے لوگ تنگ آ کر دوسری جماعتوں میں چلے جاتے ہیں۔ جو عہدوں پر براجمان ہیں وہ چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ ایک واقعہ آپ کو سناؤں۔ جب میں مدینہ یونیورسٹی سے فارغ ہو کر آیا تو چند دنوں بعد میں ماموں کانجن کانفرنس میں چلا گیا۔ وہاں مولانا معین الدین لکھوی رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ میں مدینہ یونیورسٹی کا فارغ التحصیل ہوں تو خوش بھی ہوئے اور ساتھ یہ بھی فرمایا: ''ایک مدینہ یونیورسٹی سے فارغ ہو کر آیا ہے اور ہمارے لیے مصیبت بنا ہوا ہے۔ آپ ایسے نہ کریں جیسے وہ کر رہا ہے۔'' ان کا اشارہ حافظ احسان الٰہی ظہیر کی طرف تھا۔ حافظ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ بم دھماکہ سے پہلے ایک دفعہ میرے گھر آئے، کافی دیر تک میرے پاس رہے۔ مدینہ کی یادوں کو ہم نے خوب تازہ کیا۔ پھر کہنے لگے: ''حافظ صاحب! ہم نے ایک منظم اور متحرک جماعتی پلیٹ فارم قائم کر دیا ہے۔ آپ بھی ہمارے ساتھ آئیں اور کام کریں۔'' میں نے کہا: علامہ صاحب! سیاست آپ کا ہی میدان ہے اور آپ کو ہی جچتا ہے۔ میں تدریس، تصنیف و تالیف کا آدمی ہوں۔ بہرحال علامہ صاحب ساتھیوں سے بہت محبت اور پیار کرتے تھے اور دوستانہ تعلق ہمیشہ قائم رکھتے تھے۔

ضیائے حدیث علماء کے لیے کیا نصیحت ہے؟

حافظ صاحب

علماء کے لیے یہی نصیحت ہے کہ جو کچھ پڑھا ہے اس پر عمل کریں۔ اگر عمل کریں گے تو سب کچھ صحیح ہو جائے گا۔ اگر عمل نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ عمل کے بغیر علم وبال ہے۔

ضیائے حدیث حافظ صاحب! کیا آپ کی مولانا داؤد غزنوی اور مولانا اسماعیل سلفی رحمہما اللہ سے ملاقاتیں ہوئی ہیں؟

حافظ صاحب مسجد قدس میں جب ہم زیر تعلیم تھے تو حافظ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ اکثر جلسوں پر چلے جایا کرتے تھے۔ کھانا اس وقت پکتا جب وہ جلسے سے واپس آتے تھے۔ اگر وہ سارا دن تشریف نہ لاتے تو کھانا بھی نہ پکتا۔ ان کے جلسوں پر چلے جانے کی وجہ سے ہمارے اسباق کے بہت ناغے ہو جاتے تھے۔ ہمیں کھانے کی زیادہ تکلیف نہ تھی۔ اس لیے کہ اس وقت کے طلباء کی پہلی ترجیح تعلیم ہوتی تھی۔ اگر تعلیم کا نظام صحیح ہوتا تو وہ خوش رہتے تھے۔ میں نے اپنے دوست سے مشورہ کیا (ہنستے ہوئے) آپ سمجھ گئے ہوں گے دوست کون تھے ..... مولانا عبدالسلام کیلانی، ہم دونوں مولانا داؤد غزنوی رحمہ اللہ کے پاس ان کے مدرسہ دارالعلوم



تقویۃ الاسلام چلے گئے اور ان سے عرض کی کہ مسجد قدس میں ہماری پڑھائی کا بہت حرج ہو رہا ہے، لہٰذا ہم آپ کے پاس بغرض تعلیم داخل ہونا چاہتے ہیں۔ مولانا داؤد غزنوی رحمہ اللہ فرمانے لگے: ''آجاؤ!'' جب ہم مسجد قدس واپس پہنچے تو ضمیر نے اجازت نہ دی کہ مدرسہ بدلیں۔ اس واقعہ کے چند دن بعد مولانا محمد حسین روپڑی رحمہ اللہ فوت ہوگئے تو ان کی تعزیت کے لیے مولانا داؤد غزنوی رحمہ اللہ ماڈل ٹاؤن تشریف لائے۔ حافظ محمد حسین رحمہ اللہ کے گھر کے سامنے شیشم (ٹاہلی) کا درخت تھا وہ اس کے نیچے بیٹھے تھے۔ بڑے حافظ صاحب بھی بیٹھے تھے۔ مولانا داؤد غزنوی رحمہ اللہ بیٹھے بیٹھے اچانک ہی بڑے حافظ صاحب سے مخاطب ہوکر کہنے لگے: آپ کے کچھ طالب علم ہمارے پاس داخلے کے لیے آئے تھے لیکن دوبارہ نہیں آئے۔ مولانا سلیمان کیلانی مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ مولانا عبدالسلام کیلانی مولانا سلیمان کیلانی سے ملنے جب گوجرانوالہ جاتے تو وہ مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ سے مستفید ہوتے تھے۔ اور ایک دفعہ میں مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ سے ملنے گوجرانوالہ گیا تو وہ عام چارپائی پر بیٹھے مسجد کے کونے میں عمدۃ القاری کا مطالعہ کر رہے تھے۔

ضیائے حدیث حافظ صاحب! کئی دفعہ ذہن میں ایک بات آتی ہے کہ لاہور میں غزنوی اور روپڑی خاندان دو بہت بڑے علمی خاندان تھے۔ سیالکوٹ میں مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی جیسی عظیم علمی شخصیت تھی۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ گوجرانوالہ میں اہل توحید کی تعداد میں جو اضافہ ہوا وہ لاہور میں ہوسکا نہ سیالکوٹ میں؟ آپ کیا سمجھتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

حافظ صاحب میں سمجھتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا اسماعیل سلفی جس جگہ گوجرانوالہ میں پہلے دن بیٹھے وہاں انھوں نے ساری زندگی گزار دی۔ تنگی ترشی آئی سب برداشت کیا، صبر سے کام لیا، اپنی اولاد کو بھی دین کے کام میں لگایا۔ ان کے بیٹے حکیم محمود نے مطب کے ساتھ ساتھ ساری زندگی دین کی بھی خدمت کی۔ اب حکیم محمود کے بیٹے حافظ اسعد محمود بھی دین کی تبلیغ واشاعت کا کام کر رہے ہیں۔ اس کے برعکس غزنوی خاندان قیام پاکستان کے وقت پاکستان آیا۔ مولانا داؤد غزنوی رحمہ اللہ نے یہاں آکر جو کام کیا سو کیا، اس کے بعد ان کے بیٹے سید ابوبکر غزنوی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد یہ سلسلہ رک گیا۔ یہی حال روپڑی خاندان کا ہے۔ ان کے بیٹے اب دنیاداری میں پڑ گئے ہیں۔ اب اگر تھوڑا بہت کام ہے تو حافظ عبدالرحمٰن مدنی کے بیٹے کر رہے ہیں۔ لیکن ان میں بھی علم کی وہ پختگی نہیں جو ان کے اسلاف کا خاصہ تھی۔ مدنی صاحب کے سب بیٹے میرے شاگرد ہیں۔ مدنی صاحب کی بیگم بھی میری شاگردہ ہیں۔ وہ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی کی بیٹی ہیں۔ ہم تینوں نے علامہ وحید الزمان کی بخاری شریف کے ترجمہ پر کام کیا ہے۔ اس ترجمہ میں عقیدے کی اور دوسری بہت سی غلطیاں ہیں۔ ہم تینوں نے کتاب میں غلطیوں کی اصلاح اور مسائل کی وضاحت کی ہے۔ کتاب الجنائز کے آخر تک ہم نے یہ کام کیا ہے جو موجود ہے۔ لیکن بہرحال علم کی پختگی کی اہمیت اپنی جگہ ہے۔ علماء میں علم کی پختگی ضرور ہونی چاہیے۔ ایک بات یاد آئی وہ یہ ہے کہ اس وقت ایک فتنہ وبا کی طرح پھیل چکا ہے۔ یہ ڈاکٹری (P.H.D) کا فتنہ ہے۔ ڈاکٹر کیسے بنتے ہیں؟ لوگوں کو رکھ لیتے ہیں، محنت وہ کرتے ہیں، کتابیں وہ لکھتے ہیں۔ نام ان کا چلتا ہے اور ڈاکٹر بن جاتے ہیں۔ اکثر اس طرح ہوتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔

ضیائے حدیث حافظ صاحب! آپ کی کون سی خواہشات ہیں جو تشنہ تکمیل ہیں؟

حافظ صاحب

میری سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ میری اولاد میرے نقش قدم پر چلے۔

میری اولاد میں سے میرا سب سے چھوٹا بیٹا میرے نقش قدم پر ہے۔ اس نے صحیح بخاری مجھ سے پڑھی ہے اور ہمارے گاؤں کی مسجد میں جمعہ بھی وہی پڑھاتا ہے۔ میری والدہ کی نصیحت تھی کہ جمعہ گاؤں میں پڑھانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے ساری زندگی اپنا گاؤں نہیں چھوڑا۔

میں نے جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں 8 سال پڑھایا ہے۔ لیکن والدہ مرحومہ کی نصیحت کے مطابق 8 سال مسلسل جمعہ اپنے گاؤں میں آکر پڑھاتا رہا ہوں۔

جمعہ پڑھانے کے بعد گاؤں سے رات کے وقت فیصل آباد جایا کرتا تھا۔ اب میرا چھوٹا بیٹا



گاؤں میں میری جگہ جمعہ پڑھا رہا ہے۔ میرا بڑا بیٹا بھی صاحب علم ہے۔ اس نے تمام کتابیں مجھ سے جامعہ سلفیہ میں پڑھی ہیں لیکن اس کا المیہ یہ ہوا کہ وہ سکول کا ماسٹر بن گیا۔ جو سکول ماسٹر بن جائے اس کو علم کی اشاعت و تبلیغ کا وہ ذوق و شوق نہیں رہتا جو ہونا چاہیے۔ میری بڑی بیٹی گاؤں میں دین کا بہت کام کر رہی ہے۔ بہت بڑا مدرسہ ہے جس میں 200 بچیاں زیر تعلیم ہیں، جو قرآن، تجوید، حفظ اور دینی کتابوں کی تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ ہمارے گاؤں میں اہل حدیث مسلک کی 6 مسجدیں ہیں مگر جمعہ ایک جگہ ہوتا ہے۔ جہاں میرا بیٹا پڑھاتا ہے۔ لوگوں کا جذبہ یہ ہے کہ اگر میں چندے کا اعلان کروں تو لاکھوں روپے جمع ہو جاتے ہیں۔ باقی بیٹیاں بھی اپنی اپنی جگہ دین کا کام کر رہی ہیں۔ میری آخری اور پہلی خواہش یہی ہے کہ میری اولاد دین پر کاربند رہے۔ اگر انسان دنیا کے پیچھے لگ جائے تو دنیا فتنہ بن جاتی ہے۔ علماء میں بھی دیکھا ہے جہاں دنیا آئی وہاں سے دین رخصت ہو گیا۔

جنھوں نے دنیا کی پروا نہیں کی اللہ نے ان کو دنیا بھی اور دین بھی دے دیا۔ میں نے پوری زندگی میں فاقہ نہیں دیکھا۔

گاؤں میں تقریباً 30 ایکڑ زمین ہے اور بہت اچھی گزر بسر ہو رہی ہے۔ یہ سب دین کی برکت کا نتیجہ ہے۔

ضیائے حدیث مدارس میں تعلیمی اصلاحات کے لیے آپ کی کیا تجاویز ہیں، پاکستان میں مسلک اہل حدیث کے مدارس میں طلباء کی تعداد بھی کم ہو رہی ہے اور تعلیم کا معیار بھی گرتا جا رہا ہے؟

حافظ صاحب اصل بات یہ ہے کہ خلوص کا فقدان ہے۔ ہم میں بھی، مدرسین میں بھی اور جو مہتمم ہیں مدارس کے ان میں بھی اور طلباء میں بھی، دیگر مذاہب میں ایسا نہیں، ان کا ایک نظم ہے اس نظم کے تحت چلتے ہیں۔

ضیائے حدیث حافظ صاحب! آپ نے فتویٰ نویسی کا کام کب شروع کیا تھا؟

حافظ صاحب فتویٰ نویسی کا کام ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث میں 1970ء کے بعد شروع کیا تھا۔ 1990ء کے بعد ہفت روزہ الاعتصام میں میرے فتاویٰ چھپتے رہے ہیں۔ فتاویٰ کی جلد نمبر 3 اور 4 تیاری کے مراحل میں ہیں۔

ضیائے حدیث مدارس میں دینی علوم کے ساتھ عصری علوم کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

حافظ صاحب

دینی علوم کے ساتھ عصری علوم نہیں ہونے چاہییں۔ اس لیے کہ یہ فتنہ ہے۔ ہمارے زمانے میں دینی علوم کے ساتھ عصری علوم کے پڑھانے کا تصور بھی نہ تھا۔ نہ ہی استاد پڑھنے دیتے تھے۔ وہ روکتے اور کہتے تھے: ''پہلے دین پڑھو، باقی سب اس کے بعد میں ہے۔'' اور میں نے خود ایم۔ اے عربی و اسلامیات بعد میں کیا۔

اور مدینہ یونیورسٹی سے امتیازی حیثیت سے فارغ ہوا تھا۔ بعض مدارس میں نصاب ایسے بنائے جا رہے ہیں کہ دنیوی علوم غالب ہیں۔ اب مدنی صاحب دن رات یونیورسٹی بنانے میں لگے ہوئے ہیں اور حالت یہ ہے کہ جو مواد پہلے عربی میں پڑھایا جاتا تھا اب وہ اردو میں پڑھایا جا رہا ہے۔ طلباء میں عربی ذوق و شوق نہیں رہا۔ یہ کوتاہی ہے البتہ اگر اصل تعلیم دین کی ہو اور دنیوی تعلیم اس کے تابع ہو پھر ٹھیک ہے۔

اگر ایک طالب علم دینی تعلیم کے ساتھ دنیوی تعلیم اس نیت سے حاصل کرے کہ دین کا کام بہتر انداز میں ہو سکے تو درست ہے۔

ایک بات یہ بھی یاد رکھیں کہ دینی مسائل میں استاد قابل ہونا چاہیے۔ جب استاد کی دینی علوم میں صحیح دسترس نہ ہوگی تو وہ بچوں کو کیا تعلیم دے گا اور ان کے دلوں میں دین کا کیا شوق پیدا کرے گا۔

پروفیسرز، اساتذہ، خطباء اور طلبا کے لیے

ضیائے حدیث

کے اجراء پر

خصوصی رعایت

کے آخری 2 مہینے

دسمبر 2013 تک رعایتی زرتعاون کا سلسلہ جاری رہے گا۔

رعایت سے فائدہ اٹھانے والے احباب 31 دسمبر تک رابطہ کر سکتے ہیں۔

سائنسی تجزیہ
طبی فوائد

گاجر

ڈاکٹر طارق ریاض



اللہ تعالیٰ نے گاجر کی صورت میں انسان کو بہت بڑی نعمت سے نواز رکھا ہے۔ کیونکہ اس نعمت سے استفادہ بڑا مفید اور صحت کے لیے کسی تحفہ سے کم نہیں۔ اس کا استعمال بلند فشارِ خون اور السر (Ulcer) سے محفوظ رکھتا ہے۔ حاملہ خواتین کی طبیعت میں بے چینی کو کم کر کے خون بنانے کے عمل کو تیز کرتا ہے۔ خون میں کولیسٹرول کی مقدار کم کرنے میں بھی گاجریں مفید ثابت ہوتی ہیں۔ کچی گاجریں کھانا یا گاجر کا جوس پینا جلد (Skin)، بالوں، ناخنوں اور آنکھوں کو تروتازہ رکھتا ہے۔ آنکھوں میں پیلا پن ختم کر کے اُن میں سفیدی لاتا ہے جس سے آنکھیں خوبصورت دکھائی دیتی ہیں۔ اسی طرح ناخنوں میں سفید دھبے ختم کر کے انھیں صحت مند اور سرخی مائل کرنے میں گاجروں کا ثانی نہیں۔ نباتاتی لحاظ سے گاجر ایک جڑ ہے، یعنی ہم پودے کا جو حصہ کھاتے ہیں وہ ایک جڑ ہوتی ہے جسے Taproot کہتے ہیں۔ گاجر کی جڑ بطور سبزی دُنیا بھر میں استعمال ہوتی ہے۔ اس کا سائنسی نام Daucus Carota ہے۔ Carota لفظ یونانی زبان کے لفظ KER سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے ''سینگ'' (Horn)۔ اس کے خاندان کا نام Apiaceae ہے۔ عموماً گاجر کی جڑ سرخ رنگ میں ہوتی ہے۔ البتہ مختلف اقسام کی بنا پر ان کا رنگ نارنجی، کالا، جامنی، سفید، پیلا بھی ہوتا ہے۔ ان مختلف رنگوں کی گاجروں کو ڈشوں کی تیاری میں جاذب نظر بنانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ گاجر یورپ اور ایشیا کا مقامی پودا ہے جسے دنیا بھر کے لوگ مختلف طریقوں سے بطور سبزی استعمال کرتے ہیں۔ اقوامِ متحدہ کے ادارے FAO کے مطابق دنیا بھر میں گاجروں کی سالانہ پیداوار 36 ملین ٹن سے زائد ہے۔ 2011ء کے اعداد وشمار کے مطابق دنیا بھر میں کل پیداوار 35.658 ملین ٹن تھی۔ اس میں سے 50 فی صد سے زائد پیداوار چین میں ہوتی ہے۔ یہاں سالانہ 17 سے 18 ملین ٹن گاجریں پیدا ہوتی ہیں جو دنیا کے مختلف ممالک کو فروخت کی جاتی ہیں۔

گاجر کا تنا چھوٹا ہوتا ہے جبکہ پتے بظاہر زمین سے اُبھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ گاجر کا بیج کاشت کیا جاتا ہے جو زمین میں ڈیڑھ سے دو سینٹی میٹر گہرا بویا جاتا ہے۔ ایک صحت مند بیج کا قطر 1 سے 3 ملی میٹر ہوتا ہے۔ گاجر کا پودا سورج کی بھرپور روشنی میں خوب پھلتا پھولتا ہے۔ 16



سے 21 سینٹی گریڈ درجۂ حرارت ان پودوں کی نشوونما میں اہم ہے۔ 70 سے 90 دنوں میں پودوں پہ پھول نکل آتے ہیں۔ تنے پر پھولوں کی ترتیب کو انفلوری سینز (Inflorescense) کہا جاتا ہے۔ گاجر کے ہلکے گلابی رنگ کے پھول (Umbel) انفلوری سینز کی مانند ہوتے ہیں جیسے سونف میں ہوتے ہیں۔ یہ پھول جوان ہوکر سفید رنگت کے ہوجاتے ہیں۔ پھولوں کی ترتیب بڑی دلکش ہوتی ہے۔ لگ بھگ 120 دن میں پھول کی اووری پھل بن جاتی ہے جس میں بیج پیدا ہوتے ہیں جنھیں اگلے موسم کے لیے سنبھال لیا جاتا ہے۔ پھر انھیں اوپر بیان کیے گئے طریقے کے مطابق کاشت کرلیا جاتا ہے۔ یوں اگلے برس پھر پھول نکل آتے ہیں۔ ایک مکمل پھول 3 سے 7 سینٹی میٹر تک ہوتا ہے۔

تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ 1100 سال پہلے بھی ایران اور افغانستان کے لوگ گاجر کاشت کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ماہرین آثارِ قدیمہ کو جرمنی اور سوئٹزرلینڈ سے گاجروں کے بیج ملے ہیں جو 2 سے 3 ہزار قبل مسیح کے بتائے جاتے ہیں۔ گویا گاجروں کا انسانی کھانوں کے ساتھ تعلق صدیوں پرانا ہے۔ گاجروں کا قدرتی رنگ اور ذائقہ بھی انسان کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ گاجروں کی رنگت کا ذمہ دار ایک مادہ ہوتا ہے جسے کیروٹین (Carotene) کہا جاتا ہے۔ اسی کی وجہ سے گاجروں کا رنگ سرخ یا نارنجی ہوتا ہے۔ صوبہ پنجاب میں عموماً سرخ، سیاہ اور جامنی رنگ کی گاجریں مل جاتی ہیں۔ سندھ کے علاقوں میں بھی انھیں کاشت کیا جاتا ہے۔ صوبہ خیبر پختونخواہ میں اکثر گاجروں کا رنگ نارنجی ہوتا ہے۔ یہ ذائقے میں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ اسی طرح موسم بہار میں عام ریڑھیوں پر سیاہ گاجروں کی کانجی مصالحوں کے ساتھ فروخت کی جاتی ہے۔ اس کانجی کے بارے میں عوامی خیال یہی ہے کہ اس سے خون میں حدت کم ہوتی ہے۔ جگر کی فعالیت میں اضافہ ہوتا ہے اور چہرہ سرخ وسفید ہوجاتا ہے۔ تاہم اس پر طبی تحقیق کی ضرورت ہے کہ کانجی تیار کرنے کا عمل، اس کو تیار کرنے کا انداز (سائنسی یا غیر سائنسی) تیار کرنے والے شخص کا حفظانِ صحت کے اُصولوں پر عمل پیرا ہونا ہے یا نہیں اور مصالحہ جات کے استعمال پر گاجر کی طبی افادیت پر اثرات وغیرہ کیا ہوسکتے ہیں؟ ان تمام سوالات کا جامع و سائنسی بنیادوں پر درست جواب صرف تحقیق سے ممکن ہے۔ البتہ گاجر کی طبی اہمیت وافادیت مسلمہ ہے۔

گاجروں کی غذائی اہمیت سے بھی انکار ممکن نہیں۔ اسے کھانے سے طبیعت ہشاش بشاش ہوجاتی ہے۔ کیونکہ گاجر میں 88 فیصد تک پانی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ان میں نشاستہ، غذائی ریشے (Fibers)، چکنائی اور پروٹین بھی پائی جاتی ہیں۔ وٹامنز میں وٹامن A، وٹامن B1، B2، B5، B6، B9، وٹامن C اور وٹامن D بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اس لیے وٹامن A اور B کی کمی کا شکار خواتین وحضرات کو گاجروں کے موسم سے بھرپور فائدہ اُٹھانا چاہیے۔ خاص کر بصارت سے متعلقہ امراض اور جلدی وہاضمے کے مسائل کا حل فطری طور پر وٹامنز میں ہے اور یہ خزانہ گاجر کی صورت میں ہر خاص وعام کو میسر ہے۔ غریب آدمی کی پہنچ میں بھی یہ خزانہ ہے۔ بات استفادہ کرنے کی ہے۔ گاجروں میں کئی طرح کے نمکیات بھی موجود ہوتے ہیں۔ جن میں سے قابل ذکر کیلشیم، آئرن، میگنیشیم، مینگنیز، فاسفورس، پوٹاشیم، سوڈیم، زنک اور فلورائیڈز (Flourides) ہیں۔

پروردگار عالم کے اس بے نظیر خزانے سے استفادہ کئی طرح سے کیا جاسکتا ہے۔ جن میں گاجروں کا کچا استعمال، گاجر کا حلوہ، جوس، بحیثیت سبزی اور اچار وغیرہ شامل ہیں۔ دنیا بھر میں اس کا استعمال بڑھ رہا ہے اور پیداوار بھی۔ گاجر پیدا کرنے والے ممالک میں چین پہلے نمبر پر ہے۔ اس کے بعد روس، امریکہ، ازبکستان، پولینڈ، یوکرائن اور برطانیہ کا نمبر آتا ہے۔ پاکستان میں بھی گاجریں کاشت ہوتی ہیں جو بمشکل مقامی ضرورت کو پورا کرتی ہیں۔ ان کی تجارتی حیثیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ کچھ مقدار میں یہ افغانستان پہنچائی جاتی ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ وطن عزیز میں گاجروں کی پیداوار اور کوالٹی میں اضافہ کیا جائے تاکہ زرمبادلہ کی صورت میں اس سے زرکثیر بھی کمایا جاسکے۔ ایک بار پھر ہماری زندگی میں گاجروں کا موسم آن پہنچا ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت سے ہم کس قدر فائدہ اٹھاتے ہیں اور اُس کا کتنا شکر ادا کرتے ہیں؟

❁❁❁❁

بقیہ: ماہِ محرم کی شرعی حیثیت

چنانچہ یہ تو انبیاء اور صالحین کا مقدر ہے۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے جنت میں بلند مقامات پر فائز کرنا ہے اللہ تعالیٰ ان کو آزمائشوں کی چکی میں پیستا ہے۔ تبھی تو رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: بعض لوگوں کا درجہ جنت میں بہت اونچا ہوتا ہے اور اللہ رب العزت اس اونچے درجے میں پہنچانے کے لیے انھیں آزماتا ہے، جھنجوڑتا ہے تاکہ وہ اس آزمائش میں صبر کرکے درجات علیٰ کو حاصل کرسکیں۔ (سنن أبی داود: 3090) اس بلند مقام کو سمیٹ سکیں جو اللہ پاک نے تیار کررکھا ہے۔ یہ تو انبیاء اور صالحین کا مقدر ہے۔ حسین رضی اللہ عنہ انھی صالحین میں سے ہیں۔ بلکہ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ ان کی آزمائش بھی ایک طبعی امر تھا۔ ایک دینی امر تھا۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے قبل ان کے والد علی رضی اللہ عنہ کو شہید نہیں کیا گیا؟ علی رضی اللہ عنہ سے پہلے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید نہیں کیا گیا؟ ان سے قبل آدھی دنیا کے فاتح امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو شہید نہیں کیا گیا؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان سے قبل تھے، انھیں یہ شہادت کا مقام حاصل نہیں لیکن وہ شہادت سے بھی اہم مقام پر فائز تھے۔ صدیقیت کا مقام، یہ درجہ نبوت کے بعد آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا صدیق ہونا یہ ایک عظیم رتبہ ان کے سر پہ سجایا۔ بڑے بڑے مشاہیر: نبی علیہ السلام کے چچا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید نہیں کیا گیا؟ ان کا پیٹ شق کیا گیا۔ کلیجہ نکالا گیا، چبایا گیا، مثلہ کیا گیا، آنکھیں نکالی گئیں، کان کاٹے گئے، ناک کاٹا گیا۔ اللہ کے پیغمبر کو بڑا صدمہ ہوا۔ اللہ اکبر۔ جنگِ اُحد میں ستر صحابہ شہید نہیں ہوئے؟ یہ آزمائش ایک امر مقرر ہے، طبعی امر ہے۔ جو شخص جس قدر زیادہ اللہ کا قریبی ہوگا، اللہ کا مقرب ہوگا اس قدر وہ آزمائشوں کی چکی میں پیسا جائے گا۔ یہ آزمائش بھی بڑے بڑے مشاہیر کی طرح، بڑے بڑے صالحین کی طرح جناب حسین رضی اللہ عنہ پر آئی۔ انھوں نے صبر کیا اور شہادت کے تمغے کو سینے پر سجالیا، ان کے لیے سعادت ہی سعادت اور خیر ہی خیر ہے۔ ان کو خیر حاصل ہوگئی اور ہم صدیوں سے رو رہے ہیں، قیامت تک روتے رہیں گے، سینہ کوبی کرتے رہیں گے۔ یہ امر سراسر شریعت کے خلاف ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُودَ وَشَقَّ الْجُيُوبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ» ''جو شخص صدمے میں اپنے رخساروں کو پیٹے، اپنے سینے کو چاک کرے، جاہلیت کی پکاریں پکارے وہ ہم میں سے نہیں ہے، ہماری امت سے خارج ہے۔'' (صحيح البخاري: 1297) تو وہ تو شہادت کا رتبہ حاصل کر گئے، اللہ کے مقرب ہو گئے اور ہم غیر شرعی امر کرکے امت سے خارج ہونے کی وعیدیں سنتے رہیں۔ جو شخص بھی مصیبت کے وقت اپنے رخسار پیٹے، سینہ پیٹے، اپنا گریبان چاک کرے، جاہلیت کی پکاریں پکارے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ بلکہ نبی علیہ السلام کی ایک اور حدیث ہے: «أَنَا بَرِيْءٌ مِنَ الصَّالِقَةِ وَالْحَالِقَةِ وَالشَّاقَةِ» ''میں بری ہوں، میں ناراض ہوں اس خاتون سے جو صدمے کے وقت اونچی آوازیں نکالے، مرثیہ خوانی کرے، نوحہ خوانی کرے، اپنی زبان سے اونچی اونچی آوازیں نکالے اور «الْحَالِقَةِ» جو صدمے کے وقت اپنا سر مونڈھ لے۔ اور «الشَّاقَةِ» اس خاتون سے بھی بری ہوں جو صدمے کے وقت اپنا گریبان چاک کرے۔'' (صحيح البخاري: 1296)

حالانکہ خاتون کا رونا ایک طبعی چیز ہے۔ ان کو رونا جلدی آتا ہے۔ بہت روتی ہیں اور بہت یہ اپنی زبانیں استعمال کرتی ہیں۔ مرد تو اس کے مقابلے میں صابر ہے۔ جب پیارے پیغمبر ﷺ اس خاتون سے بری ہیں جو روتی ہے، نوحہ خوانی کرتی ہے، مرثیہ خوانی کرتی ہے، حالانکہ عورتوں کے دل نرم ہوتے ہیں تو اگر مرد روئیں گے، مرثیہ خوانی کریں گے اور اپنے گریبان چاک کریں گے، اپنے آپ کو پیٹیں گے، صدمے کی حجت لے کر تو ان سے کس قدر ناراضی ہوگی، حالانکہ عورتیں تو معذور ہیں، بے چاری کمزور ہیں۔ مرد تو قوی اور طاقتور ہے، اس کو رونا کب آتا ہے؟ لیکن اگر مرد بھی یہ کام کریں گے اور مرثیہ خوانی کریں گے، روئیں دھوئیں گے، گریبان چاک کریں گے تو وہ کس قدر ناراضی کے مستحق ہوں گے، جبکہ ایک خاتون اس قدر ناراضی کی مستحق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: «النَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا» نوحہ خواں عورت، مرثیہ خوانی کرنے والی عورت اگر مرنے سے قبل توبہ نہ کرسکی۔ تو فرمایا کہ قیامت کے دن وہ اس طرح اٹھائی جائے گی کہ اللہ رب العزت

اس کے بدن پر پگھلے ہوئے تانبے کی قمیض ڈال دے گا، انتہائی گرم اور اس کے جسم کو خارش زدہ کردے گا، پھوڑوں سے بھردے گا۔ (صحیح مسلم: 934) اب جسم خارش زدہ ہو، پھوڑوں سے بھرا ہوا ہو اور اوپر پگھلے ہوئے تانبے کی قمیض ہو تو کتنی تکلیف ہوگی؟ کس قدر یہ شدت اور ہولناک عذاب کی شکل ہے۔ یہ خاتون کے لیے ہے، حالانکہ خواتین کمزور ہوتی ہیں۔ ذرا غور کریں! یہی کردار اگر ایک مرد کا ہوگا تو کس قدر وہ اللہ کے عذاب اور اس کی وعید کا مستحق ہوگا۔ تو یہ تو شہادت کا تمغہ ہے جو انھوں نے سینے پے سجایا۔ ان کے لیے خیر ہی خیر، سعادت ہی سعادت ہے۔ اور ہم ان واقعات کو حجت بنا کر ان سے عداوت مول لیں! ہرگز نہیں۔ یہ مقام سراسر دین کے خلاف ہے اور شرعی مزاج کے خلاف ہے، کتاب وسنت کے خلاف ہے۔ صحابہ کرام اور اہل البیت، ان دونوں میں آپس میں گہری محبت تھی۔ عداوت تو ہم نے مول لی ہوئی ہے۔ صدیوں، نبی علیہ السلام کے انتقال کے بعد صدیوں، یعنی سیکڑوں سال تک صحابہ کے خاندان اور اہل بیت کے خاندانوں کی آپس میں شادیاں ہوتی رہیں، رشتے ہوتے رہے، کبھی ان کی بیٹی ان کے ہاں، کبھی ان کی بیٹی ان کے ہاں۔ اور اللہ پاک کا فرمان ہے: ﴿وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ﴾ ''عمدہ مرد، نیک اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے ہیں۔'' (النور 26:24)

یہ تو طیبات اور طیبین کا سلسلہ ہے۔ صدیوں تک مناکحت کا یہ تعلق جاری رہا۔ اور قائم رہا۔ کتنے بچے جو اہل البیت کے ہاں پیدا ہوئے، کسی کا نام ابوبکر رکھا، کسی کا نام عمر رکھا، کسی نام عثمان رکھا، کسی کا نام طلحہ رکھا۔ کتنی بچیاں پیدا ہوئیں! کسی کا نام عائشہ رکھا اور کسی کا نام حفصہ رکھا۔ یہ تاریخ کا ایک حصہ ہے۔ آپس میں صدیوں محبت اور مناکحت کے رشتے منسلک رہے اور ہم ان سے عداوت کا اظہار کریں!

بحمد اللہ ہم اہل السنۃ، اہل الحدیث، ہمارا یہ موقف ہے کہ جس طرح نبی علیہ السلام سے محبت کرنا فرض ہے اسی طرح پیغمبر علیہ السلام کے سارے صحابہ سے محبت کرنا بھی فرض ہے۔ اسی طرح پیغمبر علیہ السلام کے سارے اہل بیت سے بھی محبت کرنا فرض ہے۔ یہ اہل السنہ کا منہج اعتدال ہے جو اوروں کو حاصل نہیں ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو صحابہ سے محبت کرتے ہیں مگر اہل بیت سے نفرت کرتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اہل بیت سے محبت کرتے ہیں مگر صحابہ سے نفرت کرتے ہیں بالکل یہودیوں اور عیسائیوں کے منہج کی طرح۔ یہودیوں کا نبی موسیٰ تھا، موسیٰ سے محبت کرتے تھے مگر عیسیٰ سے محبت نہیں کرتے تھے۔ عیسائیوں کا نبی عیسیٰ تھا، وہ عیسیٰ علیہ السلام سے محبت کرتے تھے مگر موسیٰ علیہ السلام سے محبت نہیں کرتے تھے۔ مگر ہم مسلمان موسیٰ علیہ السلام سے بھی محبت کرتے ہیں، عیسیٰ علیہ السلام سے بھی محبت کرتے ہیں اور نبی آخر الزمان اکرم الخلائق محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی محبت کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح اس امت کے بہت سے گروہ ہیں، کچھ گروہ اہل بیت سے محبت کرتے ہیں مگر صحابہ سے نہیں اور کچھ گروہ صحابہ سے محبت کرتے ہیں مگر اہل بیت سے نہیں۔ ہم اہل الحدیث صحابہ سے بھی محبت کرتے اور اہل بیت سے بھی محبت کرتے ہیں۔ صحابہ سے محبت کیوں کرتے ہیں؟ کیونکہ صحابہ کے ایمان کی گواہی، ان کے جنتی ہونے کی گواہی اللہ نے دی ہے، پیغمبر علیہ السلام کے فرمان نے دی ہے: « أَبُو بَكْرٍ فِي الْجَنَّةِ، عُمَرُ فِي الْجَنَّةِ، عُثْمَانُ فِي الْجَنَّةِ، عَلِيٌّ فِي الْجَنَّةِ» (سنن ابن ماجة: 133) یہ اللہ کے پیغمبر کے فرامین ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «لَا تَسُبُّوا أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِي» ''میرے کسی صحابی کو گالی مت دو۔'' «فَلَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا بَلَغَ مُدَّ أَحَدِهِمْ وَلَا نَصِيفَهُ» ''تم لوگ اگر احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردو، میرا ایک صحابی ایک پاؤ کھجوریں خرچ کردے، تم احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرکے میرے صحابی کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔'' (صحيح البخاري: 3673) قرآن کبھی ان لوگوں کو جنتی قرار دے رہا ہے، اللہ کی رضا کا مستحق قرار دے رہا ہے جنھوں نے درختوں کے نیچے بیعت رضوان میں حصہ لیا اور پیغمبر علیہ السلام کے ہاتھوں پر موت کی بیعت کرلی تھی۔ جن کی تعداد پندرہ سو کے قریب تھی۔ اور قرآن کبھی اہل بدر کو جنتی قرار دے رہا ہے اور پیغمبر علیہ السلام فرمارہے ہیں: اللہ تعالیٰ اہل بدر پر مطلع ہوا اور کہا کہ «إِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ» ''تم جو چاہو کرتے رہو۔'' «فَإِنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ» ''میں تمھیں معاف کرچکا ہوں۔'' (صحيح البخاري: 3983) اتنا بڑا مقام، اتنی بڑی

منقبت۔ اسی طرح اہل السنۃ، اہل الحدیث پیغمبر علیہ السلام کے آل بیت سے محبت کرتے ہیں۔ یہ محبت کیوں ہے؟ وہ پیغمبر علیہ السلام کے خاندان کے افراد ہیں۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی محبت جو کہ شرعی فریضہ ہے اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک اللہ کے پیغمبر کے صحابہ اور اللہ کے پیغمبر کے آل بیت سے محبت نہ کی جائے۔ اس محبت کی اساس کیا ہے؟ ان کا ایمان، ان کا عقیدہ، ان کا عمل صالح۔ ہمیں نوح علیہ السلام کے بیٹے سے محبت نہیں ہے، وہ نافرمان تھا۔ ہمیں ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر سے محبت نہیں ہے، اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ ہمیں اللہ کے پیغمبر کے آل بیت سے محبت ہے، یہ سارے اہل بیت: آپ کے نواسے، آپ کی نواسیاں، آپ کی بیٹی اور جناب علی بن ابی طالب کا خاندان جو آگے پیدا ہوا یہ سب کے سب مسلمان تھے اور اچھے عقیدے والے تھے، طیبین تھے، طاہرین تھے، ہمیں محبت ہے ان کے عقیدے کی بنا پر، تعلق بالرسول کی بنا پر اور پیغمبر علیہ السلام کے خاندان کا فرد ہونے کی بنا پر۔ زید بن ارقم کی حدیث صحیح مسلم میں ہے کہ پیغمبر علیہ السلام ایک دفعہ ایک چشمہ جس کا نام ''خم'' ہے، غدیرخم پر کھڑے ہوئے اپنی وفات سے چند دن قبل اور آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ فرمایا کہ «إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ» میں ایک بشر ہوں، ایک انسان ہوں اور «سَوفَ يَأْتِينِي مَلَكٌ» میرے پاس فرشتہ عنقریب آنے والا ہے۔ چونکہ میں بھی بشر ہوں اور جس طرح بشر جو اس دنیا سے کوچ کرتا ہے، میں بھی اس دنیا سے جانے والا ہوں اور عنقریب فرشتہ میرے پاس بھی آنے والا ہے۔ «فَأُجِيب» اور میں اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اس دنیا کو چھوڑ جاؤں گا۔ لہٰذا آج میں تمھیں دو باتیں کہنے آیا ہوں۔ ان دو باتوں کو پلے باندھ لو۔ ایک «إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ» میں تمھارے بیچ ثقلین چھوڑے جارہا ہوں۔ دو ثقل۔ ثقل کیا ہوتا ہے؟ ثقل یہ کہ ایک شخص سفر پر جائے۔ طویل سفر پر اور جو اس کے گھر کی نفیس چیزیں ہیں، اس کے بچے بھی ہوسکتے ہیں، اس کے گھر کے مال و جواہر بھی ہوسکتے ہیں ان سب کو جمع کرکے کسی سے کہے، پڑوسی سے کہے، کسی اور بڑے شخص سے کہے کہ یہ میری امانت ہے جو میں آپ کو سونپ کے جارہا ہوں، جب میں واپس آؤں گا، لوٹوں گا تو آپ سے اسی طرح وصول کرلوں گا۔ یہ پیغمبر علیہ السلام کی دو امانتیں انتہائی بوجھل، ثقل ثقیل سے بھی ہے اور ثقیل بھاری چیز کو بولتے ہیں، وزنی چیز کو بھی بولتے ہیں۔ فرمایا کہ «إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ» میں تمھارے بیچ ثقلین چھوڑے جارہا ہوں، دو بوجھل امانتیں، دو بڑی بھاری امانتیں: ایک کتاب اللہ، اللہ کی کتاب ہے۔ یہ اللہ کا نور ہے، اللہ کا علم ہے اسے مضبوطی سے تھام لو اور یہ بات بالکل بین القوسین ہے کہ جہاں کتاب اللہ کا ذکر ہوگا ساتھ ساتھ اللہ کے پیغمبر کی سنت کا بھی ذکر ہوگا۔ کتاب اللہ کا مکمل فہم سنت کے بغیر ادھورا ہے۔ اور ایک حدیث میں قرآن وحدیث دونوں کا ذکر بھی ہے۔ فرمایا کہ «تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّتِهِ» (مؤطا امام مالك: 1594) سنت کا ذکر بھی ہے۔ یہاں آپ نے پہلا جو ثقل ذکر کیا، پہلی بوجھل امانت ذکر کی وہ کتاب اللہ ہے۔ فرمایا کہ کتاب اللہ کے ساتھ دوسری چیز میری سنت ہے۔ ان کے بعد دوسری چیز، فرمایا: «وَأَهْلُ بَيْتِي» میرے اہل بیت ہیں۔ پھر آپ نے تین بار فرمایا: «أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللّٰهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي» ''میں تمھیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں اور تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ میرے اہل بیت کا احترام کرنا، ان سے محبت کرنا۔'' (صحیح مسلم: 2408) ان سے محبت کی جو ایک قوی حکمت ہے اور جو ایک عظیم اور مضبوط فائدہ ہے وہ یہ ہے کہ میرا بہت سا علم میرے اہل بیت سے تم کو ملے گا، میرے اہل بیت سے۔ اہل بیت کون ہیں؟ اس میں دو قول ہیں: ایک بنو ہاشم، دوسرا بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب۔ یہ سب اہل البیت ہیں بشرطیکہ وہ اسلام لے آئے ہوں، اسلام قبول کرلیا ہو اور تیسرا پیغمبر علیہ السلام کی بیویاں۔ یہ بھی اہل البیت ہیں۔ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کا اہل بیت ہونا یہ قرابت کی اساس پر ہے، خونی رشتے کی اساس پر۔ پیغمبر علیہ السلام کی بیویوں کا اہل البیت سے ہونا یہ رشتۂ زوجیت کی بنا پر ہے۔ رشتہ قرابتِ دموی کی بنا پر نہیں ہے، خونی رشتے کی بنا پر نہیں ہے بلکہ رشتۂ زوجیت کی بنا پر ہے اور زوجیت کے رشتے کو اہل بیت میں سرفہرست مقام دیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں بہت سارے مقامات پر اھل البیت، اھل

البیت کا لفظ مذکور ہے جس سے بیویاں مراد ہیں اور کوئی مراد نہیں ہے۔ تو فرمایا کہ میں تمھیں اپنے اہل البیت کے تعلق سے اللہ سے ڈراتا ہوں اور ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اور ایک حکمت یہ ہے کہ میرا بہت سا علم تم تک پہنچے گا میرے اہل بیت کے توسط سے، چنانچہ بہت سی حدیثیں، گھر کا بہت سا علم، رات کا بہت سا علم، بہت سی باتیں کھانے کی، پینے کی، استنجا کے آداب کی اور پھر یہ تعلقات اہل بیت سے، یہ سارا علم اہل بیت کے تعلق سے ہم تک پہنچا ہے۔ تو پھر یہ لوگ یقیناً محبت کے قابل ہیں اور تعلق استوار رکھنے کے قابل ہیں تاکہ تم کو پورا دین حاصل ہوجائے۔ لہٰذا ان سے عداوت نہ لینا اور نہ ہی ان کے خلاف کسی قسم کی سازش کرنا۔

ہم اہل السنۃ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے پیغمبر کی محبت فرض ہے اور اس محبت کی تکمیل صحابہ کی محبت کے ساتھ ہے اور اس محبت کی تکمیل اہل البیت کی محبت کے ساتھ ہے۔ یہ ہمارا منہج اعتدال ہے۔ اب یہ دس محرم جو ہے اس کو ہم کیسے منائیں؟ اس دن کو ہم کیسے گزاریں؟ روزہ رکھنا ہے، یہ روزہ سالِ گزشتہ کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ باقی اس میں کسی قسم کا ماتم، سینہ کوبی اور غم و ملال کا اظہار، کوئی ایسی حرکت جس سے یہ غم ظاہر ہوتا ہو، بعض لوگ سوگ میں کالے کپڑے پہن لیتے ہیں، کالے کپڑے عام حالات میں پہنے جاسکتے ہیں لیکن سوگ کی نیت سے ناجائز ہیں، تو ایسا کوئی اظہار نہ ہو۔ اگر ایسا اظہار کروگے تشبہ ہوگا رافضی کے ساتھ اور اہل تشیع کے ساتھ۔ تشبہ سے بچنا ہے اور کسی قسم کا غم واندوہ، کوئی ایسا ملال، کوئی ایسا رنج، ماتم، سینہ کوبی یا کوئی غم کی کیفیت اپنے اوپر طاری نہیں کرنی کیونکہ یہ غم شرعی مقاصد کے خلاف ہے۔

اور کچھ لوگ، بعض لوگ بڑے جذباتی ہوتے ہیں، بڑے جذباتی۔ ہر معاشرے میں، ہر محلے میں، ہر مسجد میں دوچار بندے ایسے ہوتے ہیں جن میں نیکی کا غلو ہوتا ہے۔ تقویٰ کا ان کو ہیضہ ہوتا ہے۔ اور وہ ہیضہ بعض صورتوں میں ٹپکتا رہتا ہے۔ اگر وہ پڑھیں گے کہ اللہ کے پیغمبر علیہ السلام نے شلوار ٹخنوں سے اونچی کرنے کا حکم دیا ہے تو اس قدر اونچی چڑھالیں گے کہ آدھی پنڈلی سے بھی اونچی ہوجائے گی۔ یہ غلو ہے اور یہ ممنوع ہے۔ آدھی پنڈلی سے نیچے کرنا تو جائز ہے اوپر کرنا جائز نہیں۔ یہ لباس شہرت ہے۔ اور یہ کچھ لوگ، دوچار ہر مقام پر ہوتے ہیں جو نگاہوں کو دکھائی دیتے ہیں۔ لباس شہرت پہن کر ان میں غلو ہوتا ہے۔ ان سے اگر سوال کرو، میاں شادی کب کرو گے؟ تو بڑا سینہ تان کر وہ کہیں گے کہ محرم کی دس تاریخ کو۔ تاکہ شیعوں کی مخالفت ہو اور ہم اس رنج وغم کی نفی کریں۔ میرے بھائی یہ طریقہ درست نہیں ہے۔ اس دن یہ سانحہ ہوا ہے، یہ واقعہ ہوا ہے، اللہ کے پیغمبر کے نواسے کو شہید کیا گیا ہے، آپ کیوں اپنے اوپر ایک ایکسٹرا خوشی طاری کرنا چاہتے ہیں۔ ایک اضافی خوشی اپنے اوپر طاری کرنا چاہتے ہیں۔ اور پھر اگر اس دن تم خوشی مناؤ گے، شادیاں کروگے اور چراغاں کروگے تو اگر یہ مخالفت ہے اہل تشیع کی تو تشبہ ہے خوارج کے ساتھ، اس دن خارجی خوش ہوتے ہیں۔ اس دن خارجی چراغاں کرتے ہیں، اچھے کپڑے پہنتے ہیں، تشبہ ہوگا ان کے ساتھ۔ تو پھر کسی اضافی غم کی بجائے اور کسی اضافی خوشی کی بجائے اس دن کو روزے کے ساتھ گزارو بالکل معمولات کے مطابق۔

جو معمولات آپ کے ہر روز ہوتے ہیں وہ آج بھی ہوں۔ نہ کوئی اضافی خوشی ہو، نہ کوئی اضافی غم ہو اور نہ ہی اس قسم کی کوئی حرکت ہو جس سے خوارج کا تشبہ یا روافض کا تشبہ لازم آتا ہو۔ بلکہ معمول کے مطابق اس دن کو گزارو۔ اصل اطاعت روزے کی ہے جو ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ اس لیے یہ روزہ رکھو، اس دن کا یہ اہتمام کرو۔ یہ اس دن کی شرعی حیثیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر حال میں، خوشی ہو، غمی ہو، شریعت کا دامن تھامے رکھنے کی توفیق عطا فرمادے، اللہ تعالیٰ ہمیں غلو سے بچائے، اسراف سے بچائے، ہر وقت ہر آن، ہر لحظہ، ہر مقام پر ہمیں کتاب وسنت کے زیر سایہ رکھے اور کتاب وسنت کے مطابق اپنی یہ زندگی گزارنے کی اور اس زندگی کو کتاب وسنت کی روشنی میں حیات طیبہ بنانے کی توفیق عطا فرمادے۔ وَأَقُولُ قَوْلِي هٰذَا وَأَسْتَغْفِرُاللّٰهَ لِيْ وَلَكُمْ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

❁❁❁❁



حافظ صلاح الدین یوسف
مدیر: شعبہ تحقیق، دارالسلام لاہور

شادی بیاہ میں اختیار کیے جانے والے طور اطوار

احادیث رسول کی روشنی میں

قسط:3

شادی کے موقع پر دف بجانے کی شرعی حیثیت

شادی کی مروجہ رسموں میں خوشی کے شادیانے بجانے بھی ہیں، جس کی کئی صورتیں رائج ہیں، مثلاً: شادی سے قبل کئی دن تک محلے کی اور قریبی رشتے داروں کی نوجوان لڑکیاں اور عورتیں شادی والے گھر میں راتوں کو گھنٹوں ڈھولکیاں بجاتی اور گانے گاتی ہیں۔ جس سے اہل محلّہ کی نیندیں خراب ہوتی ہیں۔

دوسرے نمبر پر بارات کے ساتھ بینڈ باجے کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں فلمی گانوں کی دھنوں پر ساز وآواز کا جادو جگایا جاتا ہے اور اب منگنی کے موقعے پر بھی ایسا کیا جانے لگا ہے۔ تیسرے نمبر پر بہت سے لوگ میوزیکل شو کا اہتمام کرتے ہیں جس میں ناچنے گانے والی پیشہ ور عورتیں اور مرد حصہ لیتے ہیں، جس میں بے حیائی پر مبنی حرکتوں اور بازاری عشقیہ گانوں سے لوگوں کو محظوظ کر کے ان کے ایمان واخلاق کو برباد کیا جاتا ہے۔

چوتھے نمبر پر شادی ہال نکاح اور ولیمے کی تقریبات میں اول سے آخر تک میوزک کی دھنوں سے گونجتا رہتا ہے اور اس طرح نکاح اور ولیمے کی بابرکت تقریبات بھی شیطان کی آماج گاہ بنی رہتی ہے۔ ان تمام خرافات اور شیطانی رسومات وحرکات کے جواز کے لیے ان احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے جن میں شادی اور عید، یعنی خوشی کے موقعے پر چھوٹی بچیوں کو دف بجانے اور قومی مفاخر پر مبنی نغمے اور ملی ترانے گانے کی اجازت دی گئی ہے۔

① جیسے حضرت ربیع بنت معوذ بیان کرتی ہیں کہ جب میری رخصتی عمل میں آئی تو رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاس اس طرح آکر بیٹھ گئے جیسے تو میرے پاس بیٹھا ہے (راوی سے خطاب ہے) تب چھوٹی بچیاں (خوشی کے طور پر) دف بجا کر شہدائے بدر کا مرثیہ پڑھنے لگیں۔ اچانک ان میں سے ایک بچی نے کہا: «وَفِينَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَافِي غَدٍ» ''ہمارے اندر ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں۔'' نبی ﷺ نے سن کر فرمایا: «دَعِي هٰذِهِ وَقُولِي بِالَّذِي كُنْتِ تَقُولِينَ» ''اس کو چھوڑ اور وہی کہہ جو پہلے کہہ رہی تھی۔'' (صحيح البخاري: 5147)

صحابۂ کرام (چھوٹے بڑے سب) صحیح العقیدہ تھے۔ اس لیے بچی کے مذکورہ قول کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس میں نبی ﷺ کی بابت عقیدۂ علم غیب کا اظہار تھا بلکہ آپ کی رسالت کا اظہار تھا، رسول پر وحی کا نزول ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو اپنے احکام سے بھی مطلع فرماتا ہے اور آئندہ آنے والے واقعات سے بھی بعض دفعہ باخبر کر دیتا ہے۔ بچی کے شعری مصرعے کا مطلب اسی وحی الٰہی کا اثبات تھا، پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے اس کو اس طرح کہنے سے روک دیا کہ مبادا بعد کے



لوگ بدعقیدگی کا شکار ہوجائیں۔ علاوہ ازیں ایک دوسری روایت میں صراحتاً بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَلَا يَعْلَمُ مَافِيْ غَدٍ إِلَّا اللّٰه» ''کل کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔'' (طبرانی، بحوالہ: «آداب الزفاف» للألبانی، ص: 95) بہرحال اس واقعے سے خوشی کے موقعے پر چھوٹی بچیوں کا اشعار پڑھ کر مسرت کرنے کا اثبات ہوتا ہے۔

② عہدنبوی کا ایک دوسرا واقعہ ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک لڑکی کو نکاح کے بعد شب زفاف کے لیے تیار کرکے اس کے خاوند (ایک انصاری مرد) کے پاس بھیجا، رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: «مَاكَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ؟ فَإِنَّ الْأَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ» ''تمھارے پاس لہو نہیں ہے؟ انصار کو لہو پسند ہے۔'' (صحيح البخاري: 5162) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں، ایک دوسری روایت میں «مَاكَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ» کی جگہ الفاظ ہیں: «فَهَلْ بَعَثْتُمْ مَعَهَا جَارِيَةً تَضْرِبُ بِالدُّفِّ وَتُغَنِّي؟» ''کیا تم نے اس کے ساتھ کوئی بچی (یا لونڈی) بھیجی ہے جو دف بجا کر اور گا کر خوشی کا اظہار کرتی؟'' اسی طرح «فَإِنَّ الْأَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ» کی جگہ دوسری روایت میں ہے: «قَوْمٌ فِيهِمْ غَزَلٌ» ''انصاریوں میں شعروشاعری کا چرچا ہے۔'' (فتح الباري: 282/9) اس دوسری روایت کے الفاظ سے پہلی روایت میں وارد لفظ لَهْوٌ کی وضاحت ہوجاتی ہے کہ واقعہ مذکورہ میں اس سے مراد چھوٹی بچی کا دف بجا کر اور قومی گانا گا کر اظہار مسرت کرنا ہے۔

③ محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الدُّفُّ وَالصَّوْتُ فِي النِّكَاحِ» ''حرام اور حلال کے درمیان فرق کرنے والی چیز دف بجانا اور نکاح میں آواز بلند کرنا ہے۔'' (سنن النسائی: 3371)

④ ایک اور واقعہ احادیث میں بیان ہوا ہے، عامر بن سعد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک شادی میں گیا، وہاں دو صحابیٔ رسول حضرت قرظہ بن کعب اور ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہاں چھوٹی بچیاں گانا گا رہی ہیں۔ میں نے دونوں صحابیوں سے کہا: تم دونوں اصحاب رسول اور اہل بدر (جنگ بدر کے شرکاء) میں سے ہو، تمھاری موجودگی میں یہ ہو رہا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ''شادی کے موقعے پر ہمیں لَھو (چھوٹی بچیوں کے قومی گیت وغیرہ گا کر اظہار مسرت کرنے) کی رخصت دی گئی ہے، تمھارا جی چاہتا ہے تو سنو، جانا چاہتے ہو تو تمھاری مرضی ہے۔'' (سنن النسائی: 3385)

مذکورہ روایات سے کیا ثابت ہوتا ہے؟

ان احادیث سے دو باتوں کا اثبات ہوتا ہے۔ ایک دف بجانے کا اور دوسرے، ایسے گیتوں اور شعروں کے گانے اور پڑھنے کا جن میں خاندانی شرف ونجابت کا اور آباؤاجداد کے قومی مفاخر کا تذکرہ ہو لیکن ساری متعلقہ صحیح احادیث سے ان دونوں باتوں کی جو نوعیت معلوم ہوتی ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

① خاص موقعوں پر دف بجایا جاسکتا اور قومی گیت گایا جاسکتا ہے، جیسے شادی بیاہ کے موقعے پر یا عید وغیرہ پر، جس کا مقصد نکاح کا اعلان کرنا اور خوشی کا اظہار کرنا ہے تاکہ شادی خفیہ نہ رہے۔ اسی لیے یہ حکم بھی دیا گیا ہے: «اَعْلِنُوا النِّكَاحَ» ''نکاح کا اعلان کرو۔'' (صحيح ابن حبان: 1285، آداب الزفاف، ص: 97)

یعنی علانیہ کرو، خفیہ نہ کرو۔ اس حکم سے مقصود خفیہ نکاحوں کا سدباب ہے جیسے آج کل ولی کی اجازت کے بغیر خفیہ نکاح بصورت لومیرج، سیکرٹ میرج اور کورٹ میرج کیے جارہے ہیں، عدالتیں اور فقہی جمود میں مبتلا علماء ان کو سند جواز دے رہے ہیں، حالانکہ احادیث کی رو سے یہ سب نکاح باطل ہیں، یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتے۔

② یہ کام صرف چھوٹی، یعنی نابالغ بچیاں کرسکتی ہیں، بالغ عورتوں کو ان کاموں کی اجازت نہیں ہے اور نہ مردوں ہی کو اس کی اجازت ہے۔

③ یہ کام نہایت محدود پیمانے پر ہو۔ محلے کی یا خاندان اور قبیلے کی بچیوں کو دعوت دے کر جمع نہ کیا جائے۔

④ اور سب سے اہم بات یہ کہ ان کاموں کی صرف اجازت ہے، ان کی حیثیت فرض و واجب اور امر لازم کی نہیں ہے۔ جیسے مذکورہ دو صحابیوں کے واقعے میں ہے، «قَدْ رُخِّصَ لَنَا فِي اللَّهْوِ عِنْدَ الْعُرْسِ» ''ہمیں شادی کے موقعے پر لَھو کی رخصت دی گئی ہے۔''

⑤ اور یہ مسلمہ اصول ہے کہ ایک جائز کام، حدود وضوابط کے دائرے میں نہ رہے اور اس کا ارتکاب بہت سے محرمات و منہیات تک پہنچادے تو ایسی صورتوں میں وہ جائز کام بھی ناجائز اور حرام قرار پائے گا۔